مصنف: علامہ عبدالستار ہمدانی مصروف برکاتی رضوی نوری

مرکز اہل سنت برکات رضا
امام احمد رضا روڈ
پور بندر، گجرات

بسلسلۂ جواب مطالعۂ بریلویت قسط نمبر:2

ڈاڑھی والی دلہن

(دیوبندی مکتبۂ فکر کے دو اکابر مولوی رشید احمد گنگوہی اور
مولوی قاسم نانوتوی کے عشق کی داستان)

ایک بھی حوالہ غلط ثابت کرنے پر ایک لاکھ روپیہ کا انعام

-: مصنف :-

مناظر اہل سنت، علامہ عبدالستار ہمدانی ''مصروفؔ''

(برکاتی، نوری)

-: ناشر :-

مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربندر، گجرات

نام کتاب : ڈاڑھی والی دلہن

مصنف : علامہ عبدالستار ہمدانی ''مصروفؔ'' برکاتی، نوری

تصحیح : مولانا مصطفیٰ رضا بن عبدالحبیب

کمپوزنگ : شاہد رضا شیروانی

نظر ثانی : حافظ عمران حبیبی، احمد آباد

سن اشاعت : رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ/ اگست ۲۰۱۰ء

تعداد : دو ہزار ایک سو (2100)

رسم اجراء : مارہرہ مقدسہ، بموقع عرس قاسمی

مؤرخہ: ۳۰ اکتوبر ۲۰۱۰ء

ناشر : مرکز اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ،
میمن واڈ، پوربندر، گجرات، انڈیا۔
فون: 0091-9879303557

''مقدمہ''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اوردو زبان کی مشہور کہاوت ہے کہ **''خدا جب دین چھین لیتا ہے، تو عقلیں بھی چھین لیتا ہے''**۔ یہ کہاوت وہابی، دیوبندی، اور تبلیغی جماعت کے اکابر ملاّ، پیشوا، مصنف، مؤلف، ناشر اور متبع پر کامل طور پر چسپاں ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب اعظم واکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ارفع واعلیٰ میں توہین اور گستاخی کرنے کے جرم میں بحکم قرآن مجید :

''قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ'' ترجمہ: **''تم کافر ہو چکے، مسلمان ہوکر''** (پارہ، نمبر۱۰، سورہ التوبہ، آیت نمبر:۶۵) (کنز الایمان) کے مطابق وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوکر کافر و مرتد ہو چکے۔ حضور اقدس رحمت عالم ﷺ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے کے نتیجہ میں ان کا دین (ایمان) چھین لینے میں آیا اور ساتھ میں ان کی عقل بھی سلب کر لی گئی۔ جس کا ثبوت وہابی دیوبندی مکتبۂ فکر کی کثیر التعداد کتب مثلاً ○ الافاضات الیومیہ یعنی تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ○ حکایات اولیا پرانا نام ''ارواح ثلٰثہ'' ○ تذکرۃ الرشید ○ تذکرۃ الخلیل ○ مزید المجید ○ حسن العزیز ○ اشرف السوانح ○ خاتمۃ السوانح ○ فیوض الخالق ○ وغیرہ کتب میں موجود ہے۔ مذکورہ کتب میں خود انہوں نے اپنی اور اپنے پیشواؤں کی ایسی حکایات، ارتکاب، اقوال اور افعال کا تذکرہ کیا ہے کہ جس کے مطالعہ سے ہر مہذب اور خلیق شخص کا سر شرم کے مارے جھک جائیگا اور اسے عار وحیاء محسوس ہوگی۔ لیکن **عقل کے دشمن** احمق، بیوقوف، نادان، مورکھ اور حواس باختہ اپنے فحش ارتکاب، بے شرمی پر مشتمل اقوال، بے حیائی سے معمور افعال کو بطور دانش مندی، فہم وفراست، فن وحکمت، ذہانت وہوشیاری، تہذیب و اخلاق اور کرامت میں شمار کر کے ان کی عظمت و رفعت اور اہمیت کے اظہار کے لیئے اپنی

کتابوں میں چھاپتے آئے ہیں اور ابھی تک مسلسل چھاپ رہے ہیں۔

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی عظمت ومحبت کے اظہار کے جائز و مستحب اسلامی کام و مراسم جو صدیوں سے قوم مسلم میں رائج ومشروع ہیں، ان کے جواز واستحباب کیلئے قرآن و حدیث کی دلیل طلب کرنے والے دور حاضر کے منافقین اپنے بے حیائی اور بے شرمی کے افعال وارتکاب کو جائز اور مناسب ثابت کرنے کیلئے قرآن کی آیات کے ایسے مطلب اور مفہوم بیان کرتے ہیں اور اپنا من چاہا منشاء ومراد حاصل کرنے کیلئے ایسی بے تکی اور مضحکہ خیز تاویل وتشریح کرتے ہیں کہ عام آدمی بھی یقین کے ساتھ یہی رائے قائم کرسکتا ہے کہ وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے ملاّؤں اور متبعین کی **عقل کے طوطے اُڑ گئے ہیں**۔

حدیث شریف ہے کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ'' (بخاری) یعنی ''جب تو شرم محسوس نہیں کرتا، تو پھر جو چاہے وہ کر''۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص شرم کو بالائے طاق رکھ کر بے حیا اور بے شرم بن جاتا ہے، تب اسے بے شرمی کے کسی بھی ارتکاب میں کوئی جھجھک محسوس نہیں ہوتی۔ وہ کامل طور پر بے حیائی اور بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے علی الاعلان فحش اور لچر کام کر ڈالتا ہے۔ حدیث شریف کے مذکورہ ارشاد کے مطابق وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے پیشواؤں نے بھی شرم وحیا کو خیر باد اور الوداع کہتے ہوئے فحشیات کا ایسا مظاہرہ کیا ہے کہ پوری ملت اسلامیہ نے شرم ساری، ندامت اور خجلت کا جھٹکا محسوس کیا ہے۔ حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایسے فحش ارتکاب کرنے والے اپنے آپ کو مذہبی پیشوا اور رہنما کہتے تھے۔ جن کے معتقدین و متبعین کا وسیع حلقہ تھا اور اب بھی ہے۔ علاوہ ازیں ان کے متبعین اور عقیدتمند ان کی تعریف و توصیف میں حد درجہ غلو کرتے ہوئے انہیں **عظیم الشان عالم دین، امام، پیشوا، رہبر، مفتی، محدث، محقق، مجدد، حکیم الامت** وغیرہ القاب سے یاد کرتے ہیں، اور خود کو ان کا متبع کہنے میں فخر

محسوس کرتے ہیں۔

علمائے دیوبند کے حالات زندگی پر مشتمل ان کی سوانح حیات، تذکرۂ زندگی، کرامات اور دیگر عنوانات پر شائع شدہ کتب کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ اپنی محافل میں فحشیات، لغویات، لچر گفتگو بے دھڑک اور دلیری سے کرتے تھے اور کبھی کبھی ایسے افعال کا بھی ان سے ارتکاب ہو جاتا تھا۔ لیکن وہ اپنی ایسی بے حیائی اور بے شرم حرکات کو بغیر سوچے، سمجھے اور انجام سے بے خبر ہو کر قلمبند کرتے اور کرواتے تھے اور پھر اسے مذہبی رنگ دے کر مذہبی کتب میں شائع کرتے اور کرواتے تھے۔

اپنے پیشواؤں کی بے حیائی اور بے شرمی کی نفرت آور حرکات پر عار اور خجلت محسوس کرنے کے بجائے ان فحش حکایات کو اپنے پیشواؤں کی عظمت کے طور پر شائع کر کے دیوبندی مکتبۂ فکر کے ناشرین اپنی حماقت، نادانی، پھوہڑ پن اور ناشائستگی کا مظاہرہ کر کے **"بے وقوف کے سر پر کیا سینگ ہوتے ہیں؟"** والی مثل کے مصداق بنتے ہیں اور اس پر طرّہ یہ کہ ایسی بے حیائی اور بے شرمی پر مشتمل فحش، لغو اور لچر گفتگو اور ارتکاب کو غیر مہذب اور غیر اسلامی کہنے والے انصاف پسند عقلمندوں کی دور حاضر کے جاہل بلکہ اجہل وہابی متبعین تشدّد سے مخالفت کر کے **"چوری اور سینہ زوری"** والی مثل کو صادق کرتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو "قوت زر" (**Money Power**) اور "قوت بازو" (**Muscle Power**) کے سبب ادبی دنیا میں بھی دہشت گردی (**Terrorism**) کی حرکت قبیحہ کرتے ہیں۔

غیر جانب دارانہ اور منصفانہ تجزیہ کر کے اور اخلاق و تہذیب کے اعلیٰ اصولوں کو اپناتے ہوئے ایسی فحش اور پھوہڑ حکایات کو کوڑے دان (**Dustbin**) میں ڈال دینا زیادہ مناسب بلکہ ضروری تھا، مگر ایسی حکایات کو مذہبی رنگ دے کر مذہبی کتابوں میں مقام دیا گیا۔ ہائے ہٹ دھرمی !! ہائے اندھی عقیدت کی بے وقوفی !! اپنے پیشواؤں کے غیر مہذب

ارتکابات پر شرم اور خجلت کا احساس کرنے کے بجائے ضد، ہٹ، اڑ، بے حیائی، بے شرمی، بے وقوفی، نیچ پن، کمینہ پن، سفلہ پن، رزیلہ پن، کمینگی، سینہ زوری اور انانیت کی راہ اختیار کی جاتی ہے۔ ایسی فحش عبارت پر تنقید و تبصرہ کر کے اس کی تردید کرنے والے مہذب اور اہل علم حضرات کے خلاف وہابی دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے متبعین یہ شور اور غوغا مچاتے ہیں کہ ہمارے پیشواؤں کی مذہبی اہمیت گھٹانے کے لیے سنی بریلوی واعظین اپنی تقریروں میں فحش حکایات اسلامی مجالس میں بیان کرتے ہیں۔

ایسے بے خرد اور ہٹ دھرم جاہلوں کو جواب دیتے ہوئے ہماری مؤدبانہ عرض یہ ہے کہ... جناب!!

☆ **آپ کے پیشواؤں نے ایسی فحش بات سوچی کیوں؟**

☆ **اور اگر سوچی، تو پھر کہی کیوں؟**

☆ **اگر کہہ دی، تو پھر اسے لکھی کیوں؟**

☆ **اور اگر انھوں نے لکھی، تو آپ نے چھاپی کیوں؟**

☆ **اور اگر چھاپ ہی دیا، تو پھر کتاب کو فروخت کیا کیوں؟**

☆ **آپ کی فروخت کردہ کتاب کو ہم نے پڑھ کر سنایا تو برا لگا کیوں؟**

❁ **اگر چُھپانا تھا، تو چھاپا کیوں؟**

❁ **جب چھاپ ہی دیا ہے، تو اب چُھپاؤ گے کیوں؟**

مذکورہ بالا سوالات دائمی طور پر لاجواب ہی رہیں گے۔ کیوں کہ اپنے پیشواؤں کے فحش ارتکاب پر خجلت محسوس کر کے لجانے کے بجائے اکڑنا دور حاضر کے منافقین کی ایک **"خاص ادا"** ہے، اپنی غلطی کا ارتکاب کر کے اور اپنی خطا پر توجہ ملتفت کر کے غور و فکر کر کے

اصلاح کر کے ایسے ارتکاب سے اجتناب اور پرہیز کرنے کے بجائے دوسروں کو مجرم وقصوروار ثابت کرنے کے لیے **ہوا مٹھی میں بند کرنے** کی کوشش کرنا مزید ذلت ورسوائی کا باعث وسبب ہے۔اس حقیقت سے ناواقفیت ولاعلمی کی وجہ سے دور حاضر کے منافقین اپنے پیشواؤں کے دفاع میں ضرورت سے زیادہ جذباتی ہوکر قوم مسلم کے امن بھرے ماحول کو پراگندہ کرنے کے لیئے فتنہ وفساد کی آندھی پھونکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

قارئین کرام کے ہاتھوں میں اس وقت **''ڈاڑھی والی دلہن''** کتاب ہے۔اس کتاب میں وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے دو پیشوا (۱) **مولوی قاسم نانا توی** (۲) **مولوی رشید احمد گنگوہی** کے ایام طفولیت کے ریشمی اور ملائم تعلقات جوان کی جوانی بلکہ بڑھاپے تک حسب سابق ویسے ہی نرم ونازک رہے بلکہ ان تعلقات کی نزاکت میں ایک نرالی لچک اور لطافت پیدا ہوگئی تھی، ان ریشمی تعلقات کے ضمن میں صرف دو حکایات ہی کا تذکرہ اور تبصرہ کیا گیا ہے۔ایسی فحش اور قابل شرم ونفریں حکایات و اقوال کثیر تعداد میں دیوبندی مکتبۂ فکر کے لٹریچر (Literature) میں دستیاب ہیں جس کا تفصیلی تبصرہ راقم الحروف کی کتاب **''سیکسی ملاّ''** (Sexy Mulla) میں ملاحظہ فرمائیں۔ان تمام فحش حکایات وحادثات کے مطالعہ کے بعد قارئین کرام یقین کے درجہ میں یہ نتیجہ اخذ فرمائیں گے کہ جولوگ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی بارگاہ میں توہین وگستاخی کرتے ہیں، ان سے اپنی ذاتی زندگی اور نجی معاملات میں ایسے اقوال و افعال کا صدور ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی عزت وآبرو کے لباس کو چاک کر کے مادرزاد عریاں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان گستاخوں پر لعنت و پھٹکار ہے کہ ایسی رسوائے زمانہ اور قابل شرم وعار باتیں وہ اپنی کتابوں میں شائع بھی کرتے ہیں۔

قارئین کرام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ **''ڈاڑھی والی دلہن''** کا ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ متعدد مرتبہ معائنہ (مطالعہ) فرمائیں اور پھر تنہائی میں بیٹھ کر اس پر غور وفکر کریں گے، تو آفتاب نیم

روز کی طرح یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ **''جس کا عقیدہ گندہ ہوتا ہے اس کا کردار بھی گندہ ہوتا ہے''**

عاشق رسول، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت **امام احمد رضا محقق بریلوی** علیہ الرحمۃ والرضوان کے خلاف بے اصل وثبات اور بے بنیاد الزامات و اتہامات سے لبریز، پھوہڑ اور پھٹ پاتھ چھاپ کتاب **''مطالعۂ بریلویت''** کے وہابی ملا اور نقاد **پروفیسر خالد محمود مانچسٹری کو اینٹ کا جواب پتھر** سے دیتے ہوئے **مذکورہ بالا کتاب** کے جواب اور تردید میں جاری سلسلہ کی یہ دوسری کڑی ہے۔پہلی کڑی کے طور پر **''تھانوی کی علمی صلاحیت''** کے اردو، گجراتی اور ہندی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور عوام وخواص میں کافی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔

☆ دوسری کڑی کے روپ میں **''ڈاڑھی والی دلہن''** اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

☆ تیسری کڑی کے روپ میں **''سیکسی ملاّ''** زیر طبع ہے۔

☆ چوتھی کڑی کے روپ میں **''پیٹ کے پجاری کٹ ملّے''**

☆ پانچوین کڑی کے روپ میں **''توحید کے دعوایدار خود شرک میں گرفتار''**

کل ساٹھ (۶۰) کڑیاں پروفیسر خالد محمود مانچسٹری کی رسوائے زمانہ کتاب **''مطالعۂ بریلویت''** کے جواب میں عنقریب منظر عام پر آنے والی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہر مؤمن کو حق سننے، سمجھنے کی اور حق کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ایمان کی سلامتی عطا فرمائے۔آمین

خیر اندیش

پوربندر
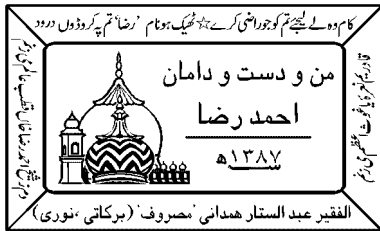
۱۲/شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ

مطابق ۲۵/جولائی ۲۰۱۰ء

بروز: یکشنبہ

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے ☆ ٹھیک ہو نام 'رضا' تم پہ کروڑوں درود

من و دست و دامان

احمد رضا

۱۳۸۷ھ

الفقیر عبد الستار ہمدانی 'مصروف' (برکاتی، نوری)

ایک لاکھ روپیہ کا انعام

Rs : - 1,00,000/-

زیرِ نظر کتاب ''داڑھی والی دلہن'' میں وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے دو(۲) پیشواؤں کی فحش حرکت کے تعلق سے دیوبندی مکتبۂ فکر کی دو(۲) کتابیں ○ **تذکرۃ الرشید** اور ○ **حکایات اولیاء** کے حوالے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں میری ذاتی لائبریری **(Library)** میں موجود ہیں۔ جو میں نے دیوبند سے منگوائی ہیں اور جن کا بل **(Bill)** بھی میرے پاس موجود ہے۔

پھر بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر؟؟

کوئی شخص کتاب میں درج حوالے غلط ثابت کرے، تو اسے ایک لاکھ روپیہ (Rs : - 1,00,000/-) نقد انعام دیا

اگر ہمت ہے، تو آگے بڑھو اور ایک لاکھ روپیہ کا نقد انعام حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

اعلان انعام منجانب :- **عبدالستار ہمدانی، ''مصروف'' برکاتی نوری**

(مصنف)

داڑی والی دلھن؟؟؟

شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا کہ جس نے دلھن نہ دیکھی ہو۔شادی شدہ کیلئے تو نہ دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن غیر شادی شدہ نے بھی الگ الگ رشتہ سے دلھن کو ضرور دیکھا ہوگا۔کسی نے اپنی بہن کو،کسی نے بھاوج کو،کسی نے اپنی پھوپھی یا خالہ یا چاچی کو دلھن بن کر ڈولی میں بیٹھ کر اپنے آبائی مکان سے رخصت ہوتے دیکھا ہی ہوگا۔ہر عورت دلھن بننے کا سنہرا خواب دیکھتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کے ہاتھ پیلے کرنے کا موقعہ میسّر آتا ہے،تب اس کی اور اس کے گھر والوں کی خوشیاں مچل اٹھتی ہیں۔

ہر دلھن اپنے پیا سے پہلی ملاقات کے وقت اپنے آپ کو حسین سے حسین تر بنانے کی کوشش میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتی۔ ہاتھ میں مہندی،سرخ جوڑا،سر پر چُندری،ناک میں نتھنی،کان میں جھومر یا بالیاں،ہاتھ میں سونے کے کنگن،گلے میں سونے کا ہار،علاوہ ازیں مختلف زیورات سے آراستہ ہوکر بناؤ سنگار کے تمام اسباب کا فراخ دلی سے استعمال کر کے ملکہءحسن و جمال بن جاتی ہے۔اس کا واحد مقصد یہی ہوتا ہے کہ میں پیکرِ حسن بلکہ مثلِ جنت کی حور بن کر اپنے رفیقِ حیات سے پہلی ملاقات کروں۔دلھن کا لفظ سن کر ہی ہر شخص کے ذہن میں ایسی عورت کا تصوّر آتا ہے،جو آرائش،زیبائش،زیب و زینب،سجاوٹ،بناؤ سنگار،شوبھا، خوشنمائی،آراستگی،خوبصورتی،موزونیت،تناسب،درخشانی،تابانی،چمک،دمک،مہک،نکہت، لطافت،نفاست اور نزاکت کا جاذب النظر پیکرِ جمیل ہو۔

لیکن!!!

کیا؟ آپ نے کبھی ایسی دلھن دیکھی ہے؟ یا کبھی ایسی دلھن کا خاکہ آپ کے تصوّر میں اُبھرا ہے؟ جو بناؤ سنگار کے تمام رسم و رواج اور طور طریقے کی کامل ادائیگی کے ساتھ ساتھ

مردانہ شان کا بھی مظاہرہ کرتی ہو۔یعنی اس کے نازک اور ملائم رخساروں پر داڑھی بھی ہو۔ نہیں!نہیں!!دلھن کا ایسا تصوّر یا ایسی تصویر ممکن ہی نہیں؛روئے زمین پر ایسی عورت دستیاب نہیں ہوسکتی جو بارہ اُبھرن سولہ سنگھار سجائے ہوئے ہو اور ساتھ میں چہرے پر مردوں جیسی بلکہ مولانا جیسی لمبی لمبی داڑھی بھی ہو۔صبر کرو،اطمینان سے کام لو،اتنے جلد مشتعل نہ بن جاؤ۔ ہم آپ کو دکھا ہی دیتے ہیں۔علمائے دیوبند کے اکابر کی سوانح حیات پر مشتمل کتابوں میں ایسی دلھن کا تذکرہ موجود ہے۔لیجئے! آپ خود ہی اپنے ماتھے کی آنکھوں سے پڑھ لیجئے!!!

وہابی،دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے پیشواء اور جن کو تبلیغی جماعت کے متبعین ''مجدد'' اور ''امام ربّانی'' کے لقب سے ملقب کرتے ہیں،وہ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کی حالات زندگی قلمبند کرنے والے دیوبندی مکتبۂ فکر کے نامور مؤرّخ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی صاحب لکھتے ہیں کہ۔

> ''ایک بار ارشاد فرمایا: میں نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے۔سو جس طرح زن وشوہر میں ایک کو دوسرے سے فائدہ پہونچتا ہے،اسی طرح مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے فائدہ پہونچا ہے۔اُنھوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کر کے ہمیں مرید کرایا اور ہم نے حضرت سے سفارش کر کے اُنھیں مرید کرادیا۔حکیم محمد صدیق صاحب کاندھلوی نے کہا ''**الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ**''۔ آپ نے فرمایا:ہاں،آخر اُن کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں''

حوالہ:

(۱) تذکرۃ الرشید'(پرانا ایڈیشن)،مؤلف:مولوی عاشق الٰہی میرٹھی،
ناشر:مکتبۃ الشیخ،محلّہ مفتی،سہارن پور(یو-پی) جلد:(۲)،ص:(۲۸۹)

(۲) تذکرۃ الرشید'' (نیا ایڈیشن)،مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی،
ناشر: دارالکتاب، دیوبند،سن اشاعت ۲۰۰۲ء، جلد: (۲)،ص: (۳۶۲)

مندرجہ بالا عبارت پر کوئی تبصرہ کرنے سے پہلے ایک مزید حوالہ پیش خدمت ہے

'' آپ ایک مرتبہ خواب بیان فرمانے لگے کہ مولوی محمد قاسم کو میں نے دیکھا کہ دلہن بنے ہوئے ہیں اور میرا نکاح ان کے ساتھ ہوا۔ پھر خود ہی تعبیر فرمائی کہ آخر ان کے بچوں کی کفالت کرتا ہی ہوں''

حوالہ:

(۱) ''تذکرۃ الرشید'' (قدیم ایڈیشن)،مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: مکتبۃ الشیخ، محلّہ مفتی، سہارن پور (یو-پی) جلد: (۱)،ص: (۲۴۵)
(۲) ''تذکرۃ الرشید'' (جدید ایڈیشن)،مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: دارالکتاب، دیوبند،سن اشاعت ۲۰۰۲ء، جلد: (۱)،ص: (۳۴۲)

سب سے پہلے ''تذکرۃ الرشید'' جلد (۲)،ص: (۲۸۹) والی پہلی عبارت میں مذکورہ قرآنِ مجید کی آیت کریمہ ''اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ'' کے تعلق سے بہت ہی اختصار کے ساتھ گفتگو کرلیں۔ یہ آیت کریمہ قرآنِ مجید کے پارہ (۵)، سورۂ نساء کی آیت نمبر (۳۴) ہے۔اس آیت کریمہ کا ترجمہ:- مرد افسر ہیں عورتوں پر'' (کنزالایمان)۔اس آیت کے تعلق سے صرف اتنی ہی معلومات ذہن میں محفوظ رکھیں۔ انشاء اللہ تذکرۃ الرشید کی مندرجہ بالا دونوں عبارات پر کئے جانے والے تبصرہ کے ضمن میں انکشاف کیا جائے گا کہ دیوبندی مکتبۂ

فکر کے مقتداء و پیشواء نے اپنے مذموم اور قابل نفریں گندے خواب کی موزونیت ثابت کرنے کیلئے کیسی فاسد ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے اور مرد سے مرد کے نکاح کا رشتہ ناتا مناسب ثابت کرنے کیلئے قرآنِ مجید کی مقدّس آیت کو کھینچ تان کر چسپاں کرنے کی کیسی قبیح حرکت کی ہے۔

ہر آدمی خواب دیکھتا ہے۔ کبھی اچھا اور نیک خواب تو کبھی ڈراؤنا اور بھیانک خواب۔ جوان آدمی شہوات نفسانی اور جنسی خواہشات پر مشتمل خواب جوانی کے ایّام میں اکثر وبیشتر دیکھا کرتا ہے۔اسی خواب کی وجہ سے اُسے احتلام بھی ہو جاتا ہے اور اس پر غسل کرنا لازمی ہوجاتا ہے۔لیکن قارئین کرام للہ انصاف سے بتائیں کہ کیا کبھی بھی کوئی شخص جوشہوانی (Lasciviousness) خواب دیکھتا ہے، وہ عوام میں اپنے ایسے خواب کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے؟ کیا کوئی بھی شریف آدمی اپنے گندے خواب کی تشہیر کرتا ہے؟ نہیں، وہ اپنے خواب کو حتی الامکان چھپانے اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور صرف اتنا کہہ کر بات ٹال دیتا ہے کہ نیند میں غسل کی حاجت ہوگئی۔

ایک حقیقت کی طرف بھی توجہ ملتفت کرانا ضروری ہے کہ ماہر نفسیات (Psychologist) کی تحقیقات (Investigation) کے مطابق آدمی جس کے متعلق سے دن بھر سوچتا رہتا ہے، اس کے تعلق سے رات کو نیند میں خواب دیکھتا ہے۔اگر کوئی لڑکا کسی لڑکی پر فریفتہ ہوگیا ہے اور ہر وقت اس کی محبت کا دم بھرتا ہے اور ہر پل اسی کی یاد میں کھویا رہتا ہے۔تو رات کو نیند میں بھی اپنی محبوبہ کے خواب دیکھتا ہے اور خواب میں وہ اپنی معشوقہ کے ساتھ کیا کیا اور کیسی کیسی حرکتیں کرتا ہے۔ دن بھر اس کے دماغ میں گھومنے والے خیالات

مُتصوّر رہوکر بشکل خواب رُونما ہوتے ہیں۔ کسی لڑکے کا کسی لڑکی پر فریفتہ ہونا یہ تو فطری بات ہے لیکن کسی مرد کا کسی مرد کی طرف رجحان اور میلان (Inclination) ہونا سراسر غیر فطری بات ہے۔ لڑکے اور لڑکی کی تو شادی ممکن ہے لیکن لڑکے کی کسی لڑکے کے ساتھ شادی ناممکن ہے۔ دنیا کا کوئی بھی مذہب اور سماج ایسے غیر فطری تعلقات کو روا نہیں رکھتا۔

ایک مرد کو دوسرے مرد کی طرف رغبت ہو اور وہ آپس میں اپنی نفسانی خواہش کو پورا کریں، ایسے لوگ بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو لوطی کہتے ہیں اور ان کی یہ قبیح حرکت لواطت (Sodomy) کہی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فعل قبیح کی ابتداء حضرت لوط علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی قوم نے کی ہے۔ حضرت لوط علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ سے پہلے دنیا میں لواطت (Homosexuality) کس بلا کا نام ہے، وہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ عراق کے شہر ''سدوم'' میں آباد قوم لوط کو شیطان نے یہ فعل سکھایا۔ اس فعل قبیح کی قرآن وحدیث میں سخت مذمت فرمائی گئی ہے۔ جس کا تفصیلی بیان یہاں ممکن نہیں۔ صرف ایک آیت کریمہ پیش خدمت ہے:-

آیت :

" وَ لُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ اَ تَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مَا سَبَقَکُمۡ بِھَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعَالَمِیۡنَ O اِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَہۡوَۃً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَاءِ ط بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ "

(پارہ (۸)، سورۃ الأعراف، آیت (۸۰) اور (۸۱)

ترجمہ:-

''اور لوط کو بھیجا، جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا وہ بے حیائی کرتے ہو، جو تم سے پہلے جہان میں کسی نے نہ کی ⊙ تم تو مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو عورتیں چھوڑ کر، بلکہ تم لوگ حد سے گزر گئے''

(کنز الایمان)

المختصر! لواطت کے فعل قبیح کی ابتداء شیطان کے سکھانے سے قوم لوط نے کی۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ وہ ذیل میں قرآن مجید کی تفسیر سے درج ہے:-

شہر سدوم نہایت ہی، سرسبز وآباد تھا۔ وہاں طرح طرح کے اناج، پھل اور میوے بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ نیز وہاں کی آب وہوا بھی فرحت بخش تھی۔ شہر سدوم کی خوشحالی اور زرخیزی کی وجہ سے قرب وجوار کے لوگ وہاں سیر وتفریح کے لیے گاہے گاہے آیا کرتے تھے اور اپنے پہچان کے لوگوں یا رشتہ داروں کے یہاں مہمان بن کر ٹھہرتے تھے۔ ہر گھر میں روزانہ کوئی نہ کوئی مہمان ضرور ہوتا تھا۔ شہر کے لوگوں کو بحیثیت میزبان مہمانوں کی خاطر تواضع اور مہمان نوازی کا بوجھ اُٹھانا پڑتا تھا اور مہمانوں کی خدمت میں ان کا کافی مال اور وقت صرف ہوتا تھا۔ روز بروز مہمانوں کی آمد اور انکی مہمان نوازی سے لوگ کبیدہ خاطر اور تنگ ہو چکے تھے لیکن مہمانوں کی بکثرت آمد کا غیر منقطع سلسلہ جاری تھا۔ لیکن اخلاقی طور واطوار اور سماجی مراسم کا لحاظ کرتے ہوئے بادِل ناخواستہ بھی وہ مہمانوں کو ''خوش آمدید'' کہہ کر حتی الامکان اور حسب استطاعت ان کی

خاطرداری کرتے تھے۔

ایک عرصۂ دراز تک مہمانوں کی خاطر داری کرتے کرتے شہر ''سدوم'' کے باشندے اُکتا گئے تھے اوراب مہمانوں کوآنے سے روکنے کی کوئی تدبیراورصورت تلاش کرتے تھے۔ایسے ماحول میں شیخ نجدی یعنی ابلیس لعین شہر''سدوم'' میں ایک بوڑھے شخص کی صورت میں نمودار ہوااور مہمانوں سے تنگ آئے ہوئے میزبان لوگوں کوجمع کر کے ان کومشورہ دیا کہ اگر واقعی تم مہمانوں کی آمد سے پریشان ہواوراس پریشانی سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہوتو میں تم کوایک آسان تدبیر بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب کبھی تمہارے یہاں کوئی مہمان آکرٹھہرے تو اس کے ساتھ زبردستی بدفعلی کرو۔ایک مرتبہ تمہاری اس حرکت کا تجربہ کرنے والا پھر کبھی تمہارے یہاں آنے کی جرأت و ہمت نہیں کرے گا۔اور رفتہ رفتہ یہ بات پھیل جائے گی کہ تمہاری بستی میں آنے والے مہمان کی جبراً ''عصمت دری'' ہوتی ہے۔تو پھر لوگ تمہارے یہاں آتے ہوئے جھجک محسوس کریں گے بلکہ اپنی مردانہ عصمت لُٹ جانے کے خوف سے تمہاری بستی میں پاؤں تک نہیں رکھیں گے۔

چنانچہ ابلیس لعین سب سے پہلے خوبصورت لڑکے کی شکل میں مہمان بن کرشہر ''سدوم'' میں آیااوربستی والوں سے خوب خوب بدفعلی کرائی۔ خودمفعول بن کربستی والوں کو لواطت کافعل قبیح سکھایااوررفتہ رفتہ بستی والے اس غیرفطری کام کے اس قدر عادی بن گئے کہ اپنی عورتوں کوچھوڑ کر مردوں سے اپنی شہوت پوری کرنے لگے۔''

حوالہ: (۱) تفسیرروح البیان،جلد:۳،ص:۱۹۷

(۲) تفسیرخزائن العرفان،ص:۲۸۹

(۳) صاوی،جلد:۲،ص:۵۷ اور

(۴) عجائب القرآن،ص:۱۲۷

لواطت کی عادت عموماً نوعمری کے زمانے میں پڑتی ہے۔جس کا اطلاق عام طور پر ۱۳،سال سے ۲۰،سال کی عمر پر ہوتا ہے اور ایسے نوجوانوں کو Teens Ager کہا جاتا ہے۔ جب کوئی ٹین ایج (Teenage) لڑکا ملازمت یا حصول تعلیم کی غرض سے اپنے گھر اور وطن کو چھوڑ کر کسی شہر میں جاتا ہے اور وہاں کسی ہاسٹل (دارالاقامہ) میں ٹھہرتا ہے۔ نئے ماحول میں شروع میں گھبراتا ہے۔ گھر کی یاد آتی ہے۔ پڑھائی یا ملازمت چھوڑ کر واپس چلے جانے کا ارادہ کرتا ہے لیکن حالات کے پیش نظر مجبوراً اُسے پڑھائی یا ملازمت کے لئے رُکنا پڑتا ہے۔ لہٰذا وہ نئے ماحول،نئی آبادی، نئے لوگ، نئے ساتھی اور نئے طریقۂ کار سے مانوس ہونے کی کوشش میں حالات سے سمجھوتا کرتا ہے۔ آہستہ آہستہ اب کچھ دل لگنے لگتا ہے۔ ہم عمر ساتھی طلبہ اور ہمعمر ساتھی ملازم کے ساتھ جان پہچان ہوتی ہے اور کچھ ہم عمر ساتھیوں سے دوستی ہوتی ہے۔ پھر وہ دوستی پروان چڑھکر گہرے تعلق میں تبدیل ہوتی ہے اور پھر وہ تعلق محبت اور وارفتگی کے سنگار میں مزین ہو کر ایک روح اور دو قالب کی اعلیٰ منزل پر متمکن ہوتا ہے۔ ایک ساتھ رہنا، ایک ہی درجہ میں ایک ساتھ پڑھنا، ایک ساتھ کھانا، پینا، گھومنا، پھرنا، ایک ساتھ ہاسٹل میں رہنا، ایک دوسرے کے سکھ دکھ آپس میں بانٹنا، ایک دوسرے کے مخلص ہمدرد اور مونس و مددگار بن کر رہنا، وغیرہ تعلقات اتنے وسیع، گہرے، مضبوط، مستقل، قوی، پائیدار اور اٹوٹ بن جاتے ہیں کہ اب اسے گھر کی یاد نہیں آتی، اب گھر جانے کو جی نہیں چاہتا، بلکہ اگر تعطیلات (Vacation) میں گھر جاتا بھی ہے، تو چھٹیوں کے دن بڑی مشکل سے کٹتے ہیں اور ہر لمحہ اپنے رفیق خاص کی یاد ستاتی رہتی ہے۔ یہ وہ جذبہ ہے جو رفتہ رفتہ ایک اَن جان اور اَن سمجھ

محبت کا روپ دھارن کرتا ہے۔ رات دن ایک ساتھ رہتے رہتے بے تکلفی، بے حجابی، بے شرمی، بے شعوری، بے ضابطگی، پر مشتمل طور واطوار اور حرکات اب معمولی امر کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے مذاق، خوش طبعی، چھیڑ چھاڑ، ہنسی، ٹھٹھا، مسخری، وغیرہ بھی عام ہوتے جاتے ہیں۔ کبھی چھوٹی چھوٹی بات پر بحث یا جھگڑا بھی ہوتا ہے۔ چند لمحات کیلئے عارضی طور پر قطع تعلق بھی ہوتا ہے۔ پھر فوراً صلح یعنی روٹھنا، منانا بھی ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو چھیڑنا، چھونا، بوس و کنار میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا۔

نوعمری کا عالم۔ جوانی کا جوش، ایک دوسرے سے بے پناہ محبت، رات کی تنہائی، قریب قریب لیٹنا، پاس پاس سونا اور پھر ابلیس لعین کا دخل اور بہکانہ ایسے عالم میں نوعمر (Teen Ager) کا پاؤں پھسلنا کوئی بعید بات نہیں۔ وہ غیر فطری ارتکاب میں ملوّث ہو جاتا ہے اور پھر اس کا ایسا عادی ہو جاتا ہے کہ اردو زبان کے مشہور مقولہ ''عادت فطرت ثانیہ ہے'' یعنی ''پختہ عادت یا طبیعت فطرت بن جاتی ہے۔'' کا کامل مصداق بن جاتا ہے اور لواطت (Sodomy) کی قبیح لت کے دلدل میں ایسا پھنستا ہے کہ مرتے دم تک اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ (اِلَّاماشاءَاللہ)

اب ہم کتاب ''تذکرۃ ارشید'' کی پیش کردہ دونوں عبارات کہ جن میں گنگوہی صاحب کے خواب کا تذکرہ ہے کہ گنگوہی صاحب نے مولوی قاسم نانوتوی صاحب کو بصورت دلھن دیکھا اور گنگوہی صاحب کا نکاح نانوتوی صاحبہ سے ہوا۔ ان دونوں عبارات پر اختصاراً اور اشارۃً و کنایۃً تبصرہ کریں۔

⊙ مولوی رشید احمد گنگوہی کی پیدائش ۶، ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ کی ہے۔

⊙ مولوی قاسم نانوتوی کی پیدائش ۱۳، صفر المظفر ۱۲۴۸ھ کی ہے۔

حوالہ:

(۱) تذکرۃ الرشید (جدید ایڈیشن) ناشر: دارالکتاب، دیوبند، جلد (۱)، ۳۱

(۲) سوانح قاسمی، ناشر، دارالعلوم دیوبند، جلد (۱)، ص: ۱۴۵

○ مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی قاسم نانوتوی دونوں نے دہلی میں ایک ساتھ رہ کر دہلی میں واقع اجمیری دروازہ عربک ہائی اسکول کے مدرس اول مولوی مملوک العلی صاحب نانوتوی سے ⊙ میرزاہد ⊙ قاضی ⊙ صدرا ⊙ شمس بازغہ وغیرہ ابتدائی کتب پڑھی تھیں۔ مولوی مملوک العلی نانوتوی مدرسہ اسلامیہ۔ دیوبند کے مدرس اوّل مولوی یعقوب نانوتوی کے والد تھے۔

اب تاریخ کی روشنی میں دیکھیں کہ مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی قاسم نانوتوی حصول علم دین کے لئے دہلی کب گئے تھے؟ ایک حوالہ پیش خدمت ہے:-

حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے مشہور استاد یہی استاد الکل حضرت مولانا مملوک العلی صاحب ہیں۔ جن کی خدمت میں ہر دو شمس و قمر کو ایک زمانہ میں مدت تک حاضر رہنے اور نخلستان علم کے خوشہ چینی کا اتفاق رہا۔ حضرت مولانا قاسم العلوم تو ۱۲۶۰ھ ہجری ہی میں استاد الکل رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دہلی آئے تھے مگر امام ربانی قدس سرہ کو ۱۲۶۱ھ ہجری میں دہلی پہنچنے کا اتفاق پیش آیا۔

COMPUTER\A li Ki Elmi
Salahiya t found.

حوالہ:

(۱) ''تذکرۃ الرشید'' (قدیم ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: مکتبۃ الشیخ محلّہ مفتی، سہارنپور (یو پی)، جلد نمبر: ۱، ص: ۲۷

(۲) ''تذکرۃ الرشید'' (جدید ایڈیشن)، مؤلف :مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: دارالکتاب، دیوبند، سنِ اشاعت ۲۰۰۲ء جلد نمبر:۱، ص:۵۰

مندرجہ بالا اقتباس سے ثابت ہوا کہ:-

⊙ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب حصول علم کے لئے ۱۲۶۱ھ میں دہلی گئے تھے اورتب ان کی عمر سترہ (۱۷) سال تھی۔

⊙ مولوی قاسم نانوتوی صاحب حصول علم کے لئے ۱۲۶۰ھ میں دہلی گئے تھے اور تب ان کی عمر تیرہ (۱۳) سال تھی۔

۱۷، سالہ مولوی رشید احمد صاحب اور ۱۳، سالہ مولوی قاسم نانوتوی یعنی دونوں Teen Ager اپنے گھر اور وطن سے دور دھلی جیسے بڑے شہر (عروس البلاد) Metropolis City میں کتنا عرصہ ساتھ رہے؟ اور طالب علمی کے زمانے میں ان دونوں کے تعلقات کیسے تھے؟ ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

''حضرت امام ربّانی مولانا گنگوہی قدس سرّہ کو قاسم العلوم، زبدۃ الافاضل، مولانا المولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ساتھ طالب علمی کے زمانہ میں چار سال تک مرافقت ومعیت اور ہم سبقی ویک جہتی کے سبب اس درجہ تعلق بڑھ گیا تھا کہ فلک علم کے دونوں شمس وقمر گویا جسم وروح یا گل وبو کا علاقہ رکھتے اور یک جان دو قالب کا مظہر بنے ہوئے تھے''

حوالہ:

(۱) ''تذکرۃ الرشید'' (قدیم ایڈیشن)، مؤلف :مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: مکتبۃ الشیخ، محلّہ مفتی، سہارنپور (یوپی)، جلد نمبر:۱، ص:۴۰

(۲) ''تذکرۃ الرشید'' (جدید ایڈیشن)، مؤلف:مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: دارالکتاب، دیوبند، سن اشاعت ۲۰۰۲ء جلد نمبر:۱، ص:۶۷

مولوی رشید احمد گنگوہی اور قاسم نانوتوی صاحب طالب علمی کے زمانہ میں صرف چند ماہ یا ایک سال ساتھ نہیں رہے بلکہ پورے چار (۴) سال کا طویل عرصہ ایک ساتھ رہے۔ علاوہ ازیں عام طور سے طالب علمی میں سرسری جان پہچان اور دعا سلام کا اوپری تعلق ہوتا ہے۔لیکن گنگوہی صاحب اور نانوتوی کا تعلق ''مرافقت ومعیت اور ہمسبقی و یک جہتی کے سبب اس درجہ تعلق بڑھ گیا تھا''

اس جملہ کو لغت سے اچھی طرح حل کریں:-

☆ مرافقت = باہمی میل جول، ہم نشینی، اتحاد باہمی. (فیروز اللغات، ص:۱۲۲۴)

☆ مَعِیَّت = ساتھ، ہمراہی (حوالہ: ایضاً، ص:۱۲۶۶)

☆ ہم سبق = ساتھ سبق پڑھنے والا، ہم درس، ہم جماعت (حوالہ ؛ ایضاً، ص:۱۴۴۷)

☆ یک جہتی = (۱) اتحاد، اتفاق، دوستی، (حوالہ: ایضاً ص ۱۴۶۸)

(۲) Full Accord, Unanimity Accord

(حوالہ : English-Urdu-English Combined Dictionary, by Dr. Abdul Haq, Publisher : Star Pub. Pvt. Ltd. Delhi. Page No. 1458)

گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب عام طلبہ کی طرح نہیں تھے۔ ان کا آپس میں جو تعلق تھا وہ سرسری اور عمومی کا نہیں تھا۔ بلکہ باہمی میل جول، ہم نشینی، ہمراہی اور باہمی اتحاد کی وجہ سے بے مثل ومثال تھا۔ چار سال تک ایک ساتھ۔ کھانے، پینے، پڑھنے، اُٹھنے، بیٹھنے،

رہنے، سونے، جاگنے، پھرنے کی وجہ سے تعلق اتنا بڑھ گیا تھا کہ بقول سوانح نگار مولوی عاشق العلی میرٹھی ''**دونوں جسم وروح یا گل و بو کا علاقہ رکھتے تھے اور یک جان دو قالب کا مظہر بنے ہوئے تھے**'' یعنی دونوں کا رشتہ اب جسم وروح کا رشتہ بن چکا تھا۔ روح انسان کے جسم میں سمائی ہوئی ہوتی ہے۔ اب دونوں میں سے کون روح اور کون جسم تھا؟ یا دونوں روح اور دونوں جسم تھے؟ یعنی کون کس میں سمایا ہوا تھا؟ یا دونوں ایک دوسرے میں سمائے ہوئے تھے؟ اور اگر ان کا رشتہ ''گل و بو'' یعنی پھول اور خوشبو کا تھا، تو پھول میں خوشبو ہی پیوست یعنی جذب ہوتی ہے۔ تو ان دونوں میں سے کون پھول اور کون خوشبو تھا؟ یا دونوں ہی پھول اور خوشبو تھے؟ یعنی کون کس میں جذب تھا؟ یا دونوں ایک دوسرے میں جذب تھے؟ اس کی وضاحت میرٹھی صاحب نے نہیں کی۔ البتہ محبت کے تعلقات کی آخری منزل ''یک جان دو قالب'' (,dvkReknks'kjhj) کی ضرور نشاندہی کی ہے۔ یعنی یہ دونوں طالب علمی کے زمانہ میں چار (۴) سال کی طویل مدّت تک ایک دوسرے کی محبت، الفت، ہمدردی، چاہت، لگن، پیار، دوستی، عشق، چاہ، فریفتگی، لگاؤ، باریابی، میلان، علاقہ، دُھن، خیال، رغبت میں ایسے دوچار ہوئے تھے کہ دونوں ایک روح اور دو (۲) جسم کی مثال بنے ہوئے تھے۔

طالب علمی کے زمانے میں ایک ساتھ گزارے ہوئے حسین دن اور رنگین راتیں گنگوہی صاحب کے ذہن میں پتھر میں کئے گئے نقش کی طرح مُنقّش ہوگئی تھیں۔ عالمی شہرت یافتہ عالم اور دیوبندی جماعت کے پیشوا کے منصب پر فائز ہونے کے باوجود طالب علمی کا زمانہ اور مولوی قاسم نانوتوی کے ساتھ گزارے ہوئے حسین لمحات وہ بھول نہ سکے۔ بلکہ:-

اُجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دے،
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے۔

کے مصداق بن کر ماضی کے حسین و دلفریب لمحات کا عکس ان کے تصوّر میں اُبھرا کرتا تھا اور تخیل میں ماضی کی یاد کی اتنی بہتات ہوتی تھی کہ رات کو سوتے میں بھی ماضی کے وہ لمحات

انگڑائیاں لے کر بشکل خواب رونما ہوتے تھے۔

آیئے! اب گنگوہی صاحب کے خواب کے تعلق سے کچھ گفتگو کریں:-

⊙ ''ایک بار ارشاد فرمایا: میں نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ'' یعنی سوانح نگار کس درجہ غلو اور چاپلوسی سے کام لے رہا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔ اردو ادب میں لفظ ''ارشاد'' کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی معزز پیشوا رشد و ہدایت پر مشتمل کوئی بات یا نصیحت کرے۔ جب کسی بزرگ شخصیت کا کوئی قول نقل کرنے سے پہلے ''**ارشاد فرمایا**'' لکھا جاتا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اب اس بزرگ کا کوئی ایسا قول نقل کیا جائیگا جو نصیحت اور ہدایت پر مبنی ہے۔ لیکن گنگوہی صاحب کا بیہودہ اور گندہ خواب نقل کرنے سے پہلے میرٹھی صاحب نے لفظ ''ارشاد'' استعمال فرما کر یہ ذہن دینے کی کوشش کی ہے کہ اب جو خواب نقل کیا جارہا ہے، وہ قوم کو رشد و ہدایت کی تلقین و تعلیم کرنے والا ہے۔ بلکہ اس خواب کے تذکرہ سے قوم کو نصیحت کر کے ہدایت کی راہ پر گامزن کیا جائیگا۔ کتابوں میں بزرگان دین کے نیک خواب شائع کرنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کو پڑھ کر قوم نصیحت اور ہدایت حاصل کرے۔ لہٰذا ایسے خواب کی روایت کسی بزرگ سے نقل کرتے وقت راوی ہمیشہ لفظ ''ارشاد'' کہتا ہے یا لکھتا ہے۔ گنگوہی صاحب کے خواب کا تذکرہ کرنے میں بھی مؤرخ نے لفظ ''ارشاد'' لکھ کر بند لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ ہمارے پیشوا گنگوہی صاحب کا جو خواب اب لکھا جارہا ہے، وہ خواب ہدایت کے خواستگاروں کے لئے مشعل راہ ہے۔ خواب کیا ہے؟ ملاحظہ فرمائیں:-

⊙ ''**مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا**'' (تذکرۃ الرشید، ص: ۲۸۹ کی عبارت) ''**مولوی محمد قاسم کو میں نے دیکھا کہ دلہن بنے ہوئے ہیں اور میرا نکاح ان کے ساتھ ہوا**'' (ص: ۲۴۵، کی عبارت)۔ اردو زبان کی مشہور مثل ہے کہ ''**بلی کے خواب میں چھیچھڑے**''۔ یہاں دو (۲) باتیں قابل غور وفکر ہیں اور دونوں غیر فطری

ہیں۔پہلی بات تو مرد کا دلھن بننا اور جب دلھن بننے والا مرد کوئی مولوی ہو، تب مزید تعجب و حیرت کا احساس ہوتا ہے۔ایک داڑھی والا مولوی شخص دلھن کی طرح سج دھج کر زیبائش و آرائش اور بناؤ سنگار کے تمام سامان سے آراستہ و پیراستہ ہوکر اور سر پر لال چندری ڈال کر بیٹھا ہو، یہ منظر ہی عجیب وغریب اور غیر فطری ہے۔ذرا سوچئے تو صرف گنگوھی صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔کیونکہ وہی ایک عینی شاھد ہیں۔صرف انھوں نے ہی اپنی دلھن نانوتوی بیگم کوخواب میں دیکھا ہے۔ان کے علاوہ نوع انسانی کے تمام افراد نانوتوی دلھن کا مشاہدہ کرنے سے محروم ہیں۔صرف گنگوھی صاحب کی زبانی نانوتوی دلھن کا ذکر سن کر لطف اندوز ہوئے ہیں۔دوسری بات یہ کہ ایک مرد کا دوسرے مرد سے نکاح۔ چھی......چھی......اورتوبہ......توبہ۔ایک مرد کا دوسرے مرد سے نکاح ہونا ضرور غیر فطری بات ہے لیکن ایک مولوی کا دوسرے مولوی سے نکاح ہونا مزید قبیح ورذیل فعل ہے۔کیونکہ اسلام ایک ایسا مہذب اور فطری دین ہے کہ اسلام نے ایسے غیر فطری افعال قبیحہ،شنیعہ اور رذیلہ کی روک تھام کے لئے اس کے مرتکب کے لئے سخت سزا متعیّن فرمائی ہے علاوہ ازیں عذاب شدید کی وعید بھی سنائی ہے۔پیغمبر اسلام سیدالمرسلین،حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کچھ ہوگیا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے،اس کا علم اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ ایک زمانہ وہ آئیگا کہ لوگ پھر اس فعل قبیح کی طرف راغب ہوں گے۔لہذا ہم جنس پرستی (Homosexuality) کے تعلق سے ایسے سخت قوانین نافذ فرما دیئے کہ اس کے مرتکب کیلئے سزائے موت مُتَعَیَّن فرمادی۔قرآنِ مجید میں بھی کئی مقامات پر اس غیر فطری فعل کی سنگینی کا احساس دلایا گیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ اس غیر فطری کام کی ابتداء حضرت سیدنا لوط علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی قوم نے شیطان کے ایماء اور تعلیم پر کی۔لیکن وہ لوگ بھی آپس میں نکاح نہیں کرتے تھے۔ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ جنسی تعلق قائم کر کے اغلام بازی اور امرد پرستی

کے انسانیت سوز مرض میں ضرور مبتلاء تھا۔ان کے یہ غیر فطری افعال عارضی معاہدہ کے ہوتے تھے یعنی کسی مرد کو کسی دوسرے مرد کی طرف رغبت ہوتی تھی،تو وہ دونوں باہمی رضامندی سے ایک دو (۲) دن یا چند دنوں تک ہم جنسی تعلقات قائم کرتے تھے اور پھر الگ ہوکر دوسروں سے تعلقات قائم کر لیتے تھے۔ان کا یہ تعلق زندگی بھر کیلئے نہیں ہوتا تھا بلکہ چند دنوں کیلئے اپنے پسندیدہ فرد کے ساتھ اغلام بازی کر کے اپنی شہوت فاسدہ کی تکمیل اور حصول لذّت کے اتمام کے بعد اجنبی بن جاتے تھے۔زندگی بھر اس غیر فطری فعل کے ساتھ منسلک رہنے کیلئے نکاح نہیں کرتے تھے۔

لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا،لوگوں نے شرم وحیا کے مہذب لباس آہستہ آہستہ اپنے وجود سے زائل کرنا شروع کردیئے۔زمانۂ ماضی میں ہم جنس پرستی کو اتنا معیوب سمجھا جاتا تھا کہ اس غیر فطری فعل میں ملوّث افراد کو ذلّت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔لیکن انیسویں صدی عیسوی میں ہم جنس پرستی کی لعنت دنیا میں عام ہوتی گئی اور مغربی تہذیب کے دلدادہ ممالک نے اسے قانونی تحفظ کی زرہ (Iron Armor) پہنا کر ہم جنسوں کے تعلقات کو قانونی طور پر تسلیم کرلیا۔مثلاً:-

(۱)	۱۹۳۲ء میں پولینڈ (Poland)	(۲)	۱۹۳۳ء میں ڈنمارک (Denmark)
(۳)	۱۹۴۴ء میں سویڈن (Sweden)	(۴)	۱۹۶۷ء میں برطانیہ (Britan)
(۵)	۱۹۹۶ء میں ناروے (Norway)	(۶)	۱۹۹۶ء میں آئس لینڈ (Island)
(۷)	۲۰۰۲ء میں فن لینڈ (Finland)	(۸)	۲۰۰۱ء میں نیدرلینڈ (Netherlands)
(۹)	۲۰۰۳ء میں بیلجیم (Belgium)	(۱۰)	۲۰۰۵ء میں اسپین (Spain)
(۱۱)	۲۰۰۵ء میں کناڈا (Canada)	(۱۲)	۲۰۰۷ء میں نیپال (Nepal)

علاوہ ازیں جنوبی افریقہ (South Africa) اور آسٹریلیا (Australia) وغیرہ

ملکوں نے ہم جنسی جیسے مہلک اور بھیانک ارتکاب کو جرائم (Crimes) کی فہرست سے خارج کر دیا اور مذکوہ ممالک میں سے بعض ممالک نے تو ہم جنسوں کی شادی کو قانونی طور پر تسلیم کرلیا ہے۔

خیر! یہ تو غیر اسلامی ممالک کے یہودی اور نصرانی باشندوں کے ہم جنسی تعلقات اور باہمی شادی کے روابط کے تعلق سے گفتگو ہوئی۔لیکن ہم قارئیسن کی توجہ ایک نکتہ کی طرف مرکوز کرانا چاہتے ہیں کہ۔

ایک مرد اپنی شہوت کسی مرد سے پوری کرے (Sodomy) یہ ایک لائق مذمّت غیر فطری اور قبیح فعل ہے۔اس روئے زمین پر اسکے مرتکب ہزاروں سال سے ہیں۔لیکن ایک مرد کسی مرد سے شادی کرے یہ قباحت عام ہونے کو طویل عرصہ نہیں ہوا بلکہ بہت قلیل عرصہ ہوا ہے۔البتہ غیر جنسی تعلقات کو جرائم کی فہرست سے خارج کر کے قانونی تحفظ دینے کی ابتداء ۱۹۳۲ء میں پولینڈ (Poland) نے کی ہے اور ہم جنسوں کو شادی کا حق سب سے پہلے ۲۰۰۱ء میں نیدرلینڈ (Netherland) نے دیا ہے۔المختصر! ۲۰۰۱ء سے پہلے ہم جنسوں کی باہمی شادی کا تصوّر بھی نہیں کیا جاتا تھا۔بلکہ ہم جنسوں کی شادی کا کسی کو خیال تک بھی نہ آیا تھا کیونکہ یہ ایک بعید از عقل اور قیاس سے ماوراء فعل تھا۔

لیکن ہم جنسوں کی شادی کا تصوّر ۱۹۰۵ء سے پہلے دیوبندی مکتبۂ فکر کے پیشوا نے مشتہر کیا۔وہابی، دیوبندی جماعت کے پیشوا اور تبلیغی جماعت کے امام ربانی مولوی رشید احمد گنگوھی کا انتقال ۸، جمادی الآخر ۱۳۲۳ھ مطابق گیارہ (۱۱) اگست ۱۹۰۵ء بروز جمعہ ہوا ہے (حوالہ :- تذکرۃ الرشید (جدید ایڈیشن) جلد نمبر (۲) ص: (۴۱۳)) اور جناب گنگوھی صاحب نے مولوی قاسم نانوتوی کے ساتھ اپنا نکاح ہونے کا خواب اپنی محفل میں بیان کیا ہے۔ یہ خواب انھوں نے کب دیکھا؟ خواب کو اپنی محفل میں اپنے احباب کے سامنے کب بیان کیا؟ اس کی وضاحت تذکرۃ الرشید کے مؤلف نے نہیں کی۔البتہ اتنا تو یقین کامل

کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ گنگوھی صاحب نے اس خواب کو اپنی حیات ناپاک میں بیان کیا ہے اور گنگوھی صاحب ۱۹۰۵ء میں موت کی آغوش میں چلے گئے لہذا اتنا تو ہر کوئی شخص یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ یہ خواب ۱۹۰۵ء سے قبل کا ہے۔

۱۹۰۵ء سے قبل دنیا کے کسی بھی خطّے میں ہم جنسوں کے باہمی نکاح کا کسی کو خیال بھی نہ آیا تھا۔البتہ ہم جنسی تعلقات کی بدی صدیوں سے رائج تھی اور پوری دنیا میں اس بدی کی مذمت وتذلیل کی جاتی تھی اور ہر مذہب اور ہر سماج نے اسے غیر فطری کام قرار دے کر اس فعل کے مرتکب کیلئے کڑی اور سخت سزا مقرّر کی تھی۔اور اس فعل قبیح کو جرائم کی فہرست میں نمایاں طور پر درج کیا تھا۔لیکن ۱۹۰۵ء کے بعد اس غیر فطری کام سے گھِن اور نفرت میں کمی واقع ہونی شروع ہوئی۔اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۰ء کے درمیان یہودیوں کی عالمی تحریک صیہونی (Zionist) نے (Protocols of Elders) زیادہ عمر والے (Seniors) کے حکومتی معاہدے کے منصوبہ (Resolution) کے تحت خفیہ تحریک چلائی اور ہم جنس پرستی کو مقبول عالم اور اسے قانونی تحفظ دینے کی جدوجہد شروع کی اور خفیہ اجلاس (Secret Meetings) کا انعقاد کر کے اس کو خفیہ طور پر رائج کیا۔ ۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۵ء یعنی دس (۱۰) سال تک یہ تحریک خفیہ طور پر چلائی گئی۔پھر ۱۹۰۵ء میں پروفیسر ’’سرگوئی نلوسؔ‘‘ نام کے ایک روسی (Russian) پادری نے علی الا علان دنیا کے سامنے ہم جنس پرستی کا مناسب ہونا وضاحت کے ساتھ پیش کیا۔پھر کیا تھا؟ یورپی اور مغربی ممالک میں ہم جنس پرستوں کی حمایت اور سرپرستی کا آغاز ہوا اور ۱۹۳۲ء سے ۲۰۰۱ء تک ستر (۷۰) سال کے عرصہ میں مغربی تہذیب کے دلدادہ ممالک میں ہم جنس پرستی (Homosexuality) سے کی جانے والی نفرت میں آہستہ آہستہ کمی واقع ہونے لگی اور ایک وقت ایسا آیا کہ نفرت اب حمایت میں تبدیل ہوگئی ممالک نے اس قابل مذمت فعل کو جرائم (Crime) کی فہرست سے خارج کر کے اسے جائز اور مناسب قرار دیا۔

لیکن !!! ابھی تک ہم جنسوں کی باہمی شادی کو قانونی طور پر تسلیم نہیں کیا گیا۔ ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۵ء تک کے عرصہ میں بیلجیم (Belgium) اسپین (Spain) اور کناڈا (Canada) نے ہم جنسوں کی باہمی شادی کو قانونی طور پر تسلیم کر کے پوری دنیا میں ہلچل مچادی:-

اس بحث کو طول نہ دیتے ہوئے اب ہم اس بحث کے ماحصل اور اہم نکات کی طرف قارئین کرام کی توجہ ملتفت کراتے ہیں کہ:-

☆ ۱۹۰۵ء میں ایک روسی پادری نے ہم جنس پرستی (اغلام بازی) کے مناسب ہونے کا اعلان کیا۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ ۱۹۰۵ء میں انتقال کرنے والے وہابی دیوبندی جماعت کے آنجہانی پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے ۱۹۰۵ء سے پہلے ہم جنسوں کی باہمی شادی کا خواب مشتہر کر دیا اور شادی کے اس خواب میں دولھا کے روپ (Role) میں خود کو بتایا۔

☆ ہم جنسوں کی باہمی شادی کو قانونی طور پر ۲۰۰۱ء میں تہذیب اور اخلاق سے نابلد ممالک نے تسلیم کیا لیکن ۱۹۰۵ء سے پہلے تقریباً ایک صدی پہلے ہم جنسوں کی باہمی شادی کی تقریب کا خواب مولوی رشید احمد گنگوہی نے مشتہر کر کے دنیا بھر کے اغلام بازوں کے لئے راستہ ہموار کر کے امید کی کرن جگمگا دی کہ جب ایک مولوی مرد دوسرے مولوی مرد کو دلھن کی صورت میں دیکھ کر اس سے شادی کا خواب دیکھ سکتا ہے، تو ہم کس کھیت کی مولی؟ مولوی صاحب نے خواب میں جو کیا، وہ ہم حقیقت میں کر دکھاتے ہیں۔ بھلا ہو مولوی صاحب کا! مرد سے مرد کی شادی کا خواب دیکھا اور اس کو مشتہر کر کے ہمارے لئے دائمی طور پر اغلام بازی کرنے کی راہ ہموار کر دی۔ ان کے خواب کو ہم شرمندۂ تعبیر کر دکھاتے ہیں۔ ذہنیت نکاح مرد از مرد کا سہرا تو مولوی صاحب کے سر پر ہی باندھنا چاہئے کیوں کہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو گنگوہی صاحب اس مفسد و خطرناک تحریک کے اولین محرک نظر آتے ہیں۔ اپنے ہم جنس محبوب کے ہجر میں تڑپنے والے اغلام بازوں پر ان کا تا قیامت احسان رہیگا کہ وصلِ ہم جنس محبوب کی آرزو اور تمنّا میں بے چین و بیقرار دلوں کیلئے سامانِ تسکین مہیا کرنے کی ذہنیت اُن

کے طفیل ہی ملی۔

⊙ گنگوہی صاحب نے خواب بیان کیا کہ خواب میں میں نے دیکھا کہ مولوی قاسم دلھن بنے ہوئے ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا۔ پھر آگے خواب بیان کرتے ہیں کہ "سو **جس طرح زن و شوہر میں ایک کو دوسرے سے فائدہ پہونچتا ہے، اسی طرح مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے فائدہ پہونچا ہے"** یعنی شوہر اور بیوی کے ازدواجی تعلقات میں ایک دوسرے کو جس طرح فائدہ پہونچتا ہے بالکل اسی طرح گنگوہی صاحب کو نانوتوی صاحب سے اور نانوتوی صاحب کو گنگوہی صاحب سے فائدہ پہونچا ہے۔ زن و شوہر نکاح کے مقدّس رشتہ سے بندھ کر ایک دوسرے کے رفیق حیات بن کر بے شک ایک دوسرے کو بے شمار فائدہ ے پہونچاتے ہیں لیکن ان کے رشتہ کی ابتداء جنسی تعلقات سے ہوتی ہے۔ اور اسی جنسی تعلق کے طفیل انھیں ایک سال کے بعد ماں اور باپ کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ میاں بیوی کے رشتہ کی بنیاد ہی جنسی تعلق ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نوع انسانی کی بقاء اور دوام کیلئے مرد اور عورت کے جنسی تعلق کو سبب بنایا ہے اور اس میں ایسی لذت، سکون، لطف، مزہ، ذائقہ، حلاوت، رغبت، میلان، خواہش، آرزو، ارمان، شوق، مٹھاس، شیرینی، راحت، آرام، سُکھ، چاہ اور چسکا رکھا ہے کہ نوعِ انسانی کی اکثریت اس کے حصول کو اپنا مقصدِ حیات بنائے ہوئے ہے اور اس کی حرص و ہوس میں جان توڑ جد و جہد میں جان باختہ ہے۔

اگر کسی مرد اور عورت کیلئے یہ کہا جائے کہ اِن کا رشتہ زن اور شوہر یا میاں اور بیوی کا ہے، تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ان دونوں میں جنسی تعلق قائم ہے۔ مرد اور عورت نکاح کے بعد جنسی تعلق قائم کریں یہ ایک فطری امر ہے۔ جسے دنیا کے ہر مذہب اور ہر سماج نے روا رکھا ہے۔ لیکن ایک مرد دوسرے مرد سے نکاح کرے یا جنسی تعلق قائم کرے یہ ایک ایسا قبیح، معیوب، بُرا، شرمناک، نازیبا، غیر مناسب، ناپسندیدہ، نامعقول، غیر موزوں، بے جا اور ناخوشگوار غیر فطری کام ہے جس کی ہر مذہب و سماج نے مذمت کی ہے اور اپنی قلبی نفرت کا

مظاہرہ کیا ہے۔ گنگوہی صاحب اپنے خواب کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ میں نے اور مولوی قاسم نانوتوی صاحب نے مثل میاں بیوی ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا ہے۔ میاں بیوی کو سب سے پہلا فائدہ جنسی تعلق کی مسرت کا حاصل ہوتا ہے۔ یہ حقیقت اسقدر عام ہے کہ ہر شخص اس سے واقف ہے۔ گنگوہی صاحب نے نانوتوی صاحبہ سے بیوی کا سا فائدہ حاصل کرنے کی بات جوش جنوں اور جذبۂ عشق کی سیلاب میں بہک کر کہہ تو دی لیکن فوراً خیال آیا کہ ہائے ہائے! میں نے رازِ سربستہ فاش کر دیا۔ راز نہاں کو عیاں کر دیا۔ خفیہ راز کی بات منہ سے نکل گئی۔ اب کیا ہوگا؟ **منہ سے نکلی کوٹھوں چڑھی اور منہ سے نکل ہوئی پرائی بات** والی مثل کے مطابق اب یہ راز و نیاز کی باتیں عوام الناس کے مابین مشہور ہو جائیں گی اور میری عزت دو کوڑی کی نہ رہیگی اور عزت میں بٹا لگ جائیگا۔ یہ خیال آتے ہی گنگوہی صاحب نے بات کو حسین موڑ دینے کی سعیٔ ناکام کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

⊙ **"اُنھوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کر کے ہمیں مرید کرایا اور ہم نے حضرت سے سفارش کر کے اُنھیں مرید کرا دیا"**۔ یہاں جس "حضرت رحمۃ اللہ علیہ" کا ذکر ہے، اس سے مراد حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی ہیں، جو مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی اشرف علی تھانوی کے پیر و مرشد ہیں۔ بات کو کیسا حسین رخ دیا جا رہا ہے۔ پہلے تو یہ کہا کہ نانوتوی صاحب بشکل دلھن بیٹھے ہوئے خواب میں نظر آئے اور میرا اُن سے نکاح ہوا۔ یعنی گنگوہی دولھا بنے اور نانوتوی صاحب اب نانوتوی صاحبہ بن کر گنگوہی صاحب کی بیگم بنے۔ وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے دو (۲) پیشوا خواب میں ازدواجی رشتہ سے منسلک ہوئے۔ جناب پروفیسر خالد محمد مانچسٹری صاحب کو اُن کے دو (۲) پیشواء کی ہم جنسی شادی کی مبارک بادی......مبارک......مبارک!!! مانچسٹری صاحب خوشیاں مناؤ، دولھا دلھن کی جوڑی سلامت رہے کی دعا مانگو۔ اگر جشن شادی کی تہنیت میں مٹھائی تقسیم کرو، تو براہ کرم ہمیں مت بھیجنا۔ ہم گیارہویں شریف کی مٹھائی کھانے والے ایسی ناروا اور غیر فطری شادی کی

مٹھائی نہیں کھاتے۔ ہم آپ سے شادی کی مٹھائی کا تقاضا نہیں کرتے۔ البتہ ہمارا ایک تقاضا بطورِ قرض آپ کے سر ہے کہ براہ کرم آپ ہمیں یہ تفصیلات فراہم کریں کہ ❍ شادی میں مہر کی رقم کتنی طے پائی تھی؟ ❍ نانوتوی صاحبہ کو جہیز میں کیا دیا گیا تھا؟ ❍ نکاح کے وکیل اور گواہ کون تھے؟ یا پھر بغیر وکیل و گواہ ہی بند کمرے میں باہمی رضامندی سے ایک دوسرے کو شوہر اور گھر والی تسلیم کر لیا تھا؟

خیر! گنگوہی صاحب اپنے خواب کے نکاح کا تذکرہ کر کے اپنی بیگم نانوتوی صاحبہ سے ازدواجی رشتہ سے بندھنے کے بعد جس فائدہ کی بات کرتے ہیں، وہ بدبودار نجاست کے ڈھیر پر ریشمی چادر ڈالنے کے مترادف ہے۔ یعنی گنگوہی صاحب کی نانوتوی صاحبہ سے ہوئی غیر فطری شادی کا صرف ایک ہی فائدہ ہوا کہ بیگم نانوتوی صاحبہ نے ازدواجی زندگی کا حق اور فریضہ ادا کرتے ہوئے اپنے پیارے شوہر گنگوہی صاحب کے سامنے حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی صاحب کی اتنی زیادہ تعریف کی اور اتنی خوبیاں و اوصاف بیان کیئے کہ گنگوہی صاحب اپنی جاں نثار اور وفادار پیاری بیگم کی پیاری پیاری اور میٹھی میٹھی دل کو بھاتی باتوں پر اعتماد کر کے حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی کے ہاتھ پر بیعت کر کے مرید ہو گئے اور بیگم نانوتوی صاحبہ کو اس غیر فطری نکاح کا یہ فائدہ ہوا کہ بیگم نانوتوی صاحبہ کی رہنمائی کی وجہ سے گنگوہی صاحب کو حاجی امداد اللہ صاحب جیسے پیر و مرشد ملے، تو گنگوہی صاحب نے بھی ایک شفیق شوہر کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اپنی ہمدرد اور محسنہ پیاری بیگم نانوتوی صاحبہ کے احسان کا بدلہ چکاتے ہوئے اپنے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی سے سفارش کر کے اُنھیں بھی حاجی صاحب سے بیعت کرا دیا۔ یعنی گنگوہی صاحب نے نانوتوی صاحب سے نکاح کے خواب میں جو کہا کہ **"جس طرح مرد اور عورت کو جو فائدہ پہونچتا ہے، ایسا ہی فائدہ ہم دونوں کو پہونچا ہے"** اس کی وضاحت بلکہ اپنا دفاع کرتے ہوئے گنگوہی صاحب یہ ذہن دینا چاہتے ہیں کہ مثل زن و شوہر ہم دونوں نے جو ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہم

دونوں نے ایک دوسرے کو حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی صاحب سے مرید کرایا ہے۔

⊙ اگر یہی مراد ہے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ **"جس طرح زن وشوہر میں ایک کو دوسرے سے فائدہ پہونچتا ہے"** کیا مرد اور عورت صرف اسی لئے نکاح کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کو کسی کامل پیر سے مرید کرادیں؟ کیا مرد اور عورت نکاح کے بعد جنسی تعلق قائم ہی نہیں کرتے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ زن وشوہر نکاح کے بعد ضرور جنسی تعلق قائم کرتے ہیں۔ نکاح کے بعد کی پہلی شب جس کو **"سہاگ رات"** کہا جاتا ہے۔ اس رات سے دونوں میں جنسی تعلق قائم ہوتا ہے اور جنسی تعلق کو جائز اور مناسب قرار دینے کیلئے ہی نکاح ہوتا ہے۔ عوام کی اصطلاح میں نکاح کا معنی ہی یہی ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان جنسی تعلق کا قائم ہونا۔ دونوں ایک دوسرے سے محظوظ اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور اسی کو فائدہ کہا جاتا ہے۔ جو ایک کو دوسرے سے پہونچتا ہے۔ گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب نے مثل زن و شوہر فائدہ اٹھایا۔ اس حقیقت کا تو گنگوہی صاحب اعتراف کرتے ہیں لیکن جو فائدہ اُٹھایا ہے اس کی بے تکی تاویل کرتے ہیں کہ ہم نے مثل زن وشوہر فائدہ ضرور اُٹھایا ہے۔ لیکن ہمارا یہ فائدہ جنسی تعلق سے بری اور بعید ہے۔ ہم نے ایک دوسرے کو حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی سے مرید کرانے کیلئے نکاح کا فائدہ اُٹھایا ہے۔

کیسی غیر موزوں، بے ڈھنگی اور بے جوڑ تاویل گنگوہی صاحب کررہے ہیں۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب سے ہم دونوں نے ایک دوسرے کو مرید کرایا ہے، یہ بات بتانے کیلئے باہمی جنسی اور غیر فطری نکاح کی منظر کشی کرنا، نانوتوی صاحب کو دلھن کے بناؤ سنگار میں مزیّن (Decorated) کرکے دکھانا، پھر مثل زن وشوہر باہمی لطف اندوزی اور حصول فائدہ کا ذکر کرنا، ایسا غیر مربوط اور بے میل تذکرہ ہے کہ جس کا زمین آسمان پر ٹھکانا نہیں لگتا۔ گنگوہی صاحب کی اس بے تکی اور بے ربط تاویل کے ضمن میں یہ مثال نہایت ہی موزوں ثابت ہورہی ہے کہ کوئی شخص اپنا خواب یوں بیان کرکے کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک

بہت بڑے شراب خانہ میں ہوں۔ سو جس طرح شرابی لوگ شراب سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اسی طرح میں بھی لطف اندوز ہوا۔ ایک ڈول شراب کی بھر کے اس سے وضو اور غسل کرکے نماز پڑھی۔ توبہ......توبہ...... جب وضو اور غسل کرکے نماز پڑھنی تھی، تو شراب خانہ میں جاکر شراب کی ڈول بھر کے وضو اور غسل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کسی مسجد کے حوض سے وضو، غسل کرلینا تھا۔ اسی طرح اگر حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے مرید ہونے کا ایک دسرے کو فائدہ پہونچانا تھا تو غیر فطری اور ہم جنسی نکاح کرنا اور مثل شوہر و بیوی ایک دوسرے کو فائدہ پہونچانے کی بات کرنا کیا معنی رکھتی ہے؟ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ضرور تھا۔ ماضی کے دھندھلے نقوش ایّام رفتہ کی گرد کی دبیز تہ میں دبے ہوئے تھے جو اچانک انگڑائی لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور بشکل خواب ذھن کے پردے پر اُبھر آئے تھے، جو بیساختہ بھری محفل میں بیان کردیا اور افشائے راز ہوگیا۔ بقول شاعر:-

﴿ ندامت ہوئی حشر میں جنکے بدلے = جوانی کی دو چار نادانیاں تھیں ﴾

⊙ گنگوہی صاحب نے خواب کی نہاں کیفیت بھری محفل میں بیان کرکے عیاں کردی اور اپنی **عقل کا چراغ گل ہوجانے** کا ثبوت پیش کردیا۔ گنگوہی صاحب کی محفل میں بیٹھنے والے ان کے مریدین، محبین اور متعلقین بھی عقل کا دیوالہ نکالنے میں گنگوہی صاحب سے دو (۲) نہیں بلکہ چار قدم آگے تھے۔ گنگوہی صاحب کی چمچا گیری، خوشامد اور چاپلوسی کرنے میں دماغ کو مغز سے خالی کرکے ہر بات میں ہاں جی ہاں جی کیا کرتے تھے بلکہ **کریلا اور وہ بھی نیم چڑھا** والی مثل کے مصداق بن کر ایسی احمقانہ اور جاہلانہ تائید وتوثیق کرتے تھے کہ **چور کا بھائی گٹھ کترا** ہی محسوس ہوتے تھے۔

گنگوہی صاحب نے اپنا نکاح نانوتوی صاحب کے ساتھ ہونے کا خواب اپنے چیلوں کے سامنے بیان کیا۔ حالانکہ وہ خواب اتنا گھٹیا قسم کا تھا کہ معمولی عقل وفہم رکھنے والا بھی اسے سن کر بیزار ہوجائے۔ لیکن ایسے قابل نفرت اور گھناؤنا خواب سن کر گنگوہی صاحب کے

چمچے حکیم محمد صدیق کاندھلوی نے ایسے گندے خواب کو موزوں اور مناسب ثابت کرنے کیلئے قرآنِ مجید کی مقدس آیت کریمہ کو بے محل و بے موقع چسپاں کر کے **اندھا گائے۔ بہرا بجائے** والی مثل کو صادق کردیا ہے۔

قرآنِ مجید، پارہ (۵)، سورۂ نساء کی آیت نمبر (۳۴) **"اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ"** ترجمہ:- "مرد افسر ہیں عورتوں پر" اس آیت کے ضمن میں تفصیلی تبصرہ کرنے کا مُصمَّم ارادہ تھا لیکن **"داڑھی والی دلھن"** عنوان کا مضمون اتنا طویل ہوگیا ہے کہ اب بالا ختصار عرض خدمت یہی ہے کہ یہ آیت کریمہ مرد اور عورت کی ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنائے رکھنے اور میاں بیوی کے تعلقات میں تنازع، جھگڑا، رنجس، عداوت، اختلاف جیسے قبیح معاملات کا دخل روکنے کے لئے اور معاشرے کے نظام کو حسن سلوک کے اخلاقی گوہر سے مزیّن اور آراستہ کرنے کیلئے شوہر اور بیوی کے مراتب و منصب کا فرق واضح کرنے کیلئے عورتوں پر مردوں کی حکمرانی بیان فرمائی گئی ہے۔

اس آیت کریمہ کے شانِ نزول میں تفسیر کی معتبر و معتمد کتب تفسیر خازن، تفسیر بیضاوی، تفسیر روح البیان، تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ حضرت سعد بن ربیع جو انصار کے نقیب تھے۔ ان کی شادی حضرت زید بن زہیر کی بیٹی حضرت حبیبہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ ایک دن حضرت سعد نے اپنی بیوی کو نافرمانی کی وجہ سے ناراض ہوکر ایک طمانچہ مار دیا۔ حضرت حبیبہ کے والد اپنی بیٹی کو لے کر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور استغاثہ کیا کہ داماد سعد نے بیٹی حبیبہ کو طمانچہ مارا ہے۔ لہذا داماد سے قصاص دلوایا جائے۔ یعنی بیٹی حبیبہ کو اجازت دی جائے کہ وہ داماد سعد کو تھپڑ کے بدلہ میں تھپڑ مار لیں۔ اس مطالبۂ قصاص پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور یہ حکم نافذ فرما دیا گیا کہ بیوی اپنے خاوند سے تھپڑ کا قصاص نہیں لے سکتی۔

المختصر! اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر بزرگی دی ہے۔ گھریلو معاملات میں خاوند کو بادشاہ کا منصب حاصل ہے اور بیوی گھر کے وزیر کا رتبہ رکھتی ہے۔ خاوند گھر کا بادشاہ ہے اور

بیوی بچے رعیت ہیں۔ بیوی بچوں کا نان ونفقہ و دیگر ضروریات پورا کرنے کے لئے شوہر محنت و مشقت برداشت کر کے کماتا ہے۔ بیوی بچوں کی پرورش کی ذمہ داری شوہر کے سر ہوتی ہے۔

اب قارئین کرام غور فرمائیں کہ گنگوہی صاحب کے گندے خواب کو اس آیت سے کوئی نسبت ہے؟ نہیں، بالکل نہیں۔ پھر بھی گنگوہی صاحب کی چاپلوسی اور چمچا گیری کا حق ادا کرتے ہوئے حکیم محمد صدیق کاندھلوی نے بے تکی تطبیق اور بے جا ربط کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ چسپاں کرنے کی مذموم حرکت کی ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ چمچے کی بات کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے بلکہ اس کی تصدیق و تائید کرتے ہوئے گنگوہی صاحب نے فرمایا کہ **"ہاں، آخر ان کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں"** یعنی گنگوہی صاحب کے غیر فطری نکاح کے خواب کے تعلق سے حکیم محمد صدیق کاندھلوی نے قرآنِ مجید کی مقدس آیت کریمہ **"اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ"** سے غلط استدلال کرنے کی جو قبیح جرأت کی ہے، اسے گنگوہی صاحب سراہتے ہیں کہ ہاں! ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مرد اور عورت یعنی خاوند و بیوی کے مابین جو جنسی تعلق ہوتا ہے (وطی یا ہمبستری یا Intercourse) اس کے نتیجہ میں جو بچے پیدا ہوتے ہیں، انکی پرورش شوہر کرتا ہے۔ ہاں! ہاں میں بھی ایک فرض شناس شوہر کی حیثیت سے نانوتوی صاحب کے بچوں کی تربیت یعنی پرورش کرتا ہوں۔ عبارت میں **"تربیت کرتا ہوں"** کا جملہ نہیں بلکہ **"تربیت کرتا ہی ہوں"** کا جملہ ہے یعنی عبارت میں لفظ **"ہی"** وارد ہے۔ لغت میں لفظ "ہی" کے چند معنی مرقوم ہیں۔ ○ اکیلا ○ تنہا ○ محض ○ صرف ○ ضرور ○ فقط وغیرہ۔ علاوہ ازیں اسے حرف تاکید بھی کہتے ہیں یعنی کسی جملہ کو مؤکد یعنی تاکید و اصرار کے ساتھ کہتے وقت "ہی" کا استعمال ہوتا ہے۔ یعنی گنگوہی صاحب مذکورہ آیتِ کریمہ کے ضمن میں یقین اور زور دے کر اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ نانوتوی صاحب سے پیدا شدہ بچوں کی میں اکیلا ضرور پرورش کرتا ہوں۔ یعنی بند لفظوں میں گنگوہی صاحب نے نانوتوی صاحب کے ساتھ زوجیت کے قیاسی رشتہ کا اعتراف کرلیا ہے۔

⊙ صرف قیاسی رشتۂ زوجیت تک ہی گنگوھی صاحب محدود نہیں رہے۔ بلکہ طالب علمی کے زمانے میں چار سال تک ایک ساتھ کھا، پی، اُٹھ، بیٹھ، سو، جاگ، پڑھ اور رہ کر گزارے ہوئے سہانے دنوں کی رنگین یادیں گدگدانے لگیں۔ ماضی میں اپنے یار و محبوب کے ساتھ پیار و محبت کے لمحات حسین یادوں کے گلدستے لیکر دماغ کے دریچے کو کھٹکھٹانے لگے۔ ادھورے اور مرجھائے ہوئے ارمان جو دل کے ویران کونے میں کاہلی اور اُداسی کا لبادہ اُوڑھ کر بے حس و حرکت خوابیدہ تھے، وہ یکا یک ایک نئے جوش و خروش کے ساتھ انگڑائیاں لیتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنا یار سپنوں کی رانی بن کر بشکل دلھن خواب میں زوجیت کے رشتہ سے منسلک ہوتا نظر آنے لگا۔ لیکن خواب بھی بالآخر خواب ہی ہے۔ آنکھ بند ہونے کے عالم میں نظر آنے والے سنہرے منظر آنکھ کھلتے ہی ھباءً منثورًا ہوکر کافور ہو جاتے تھے اور دل مضطر کو بیقراری کی شدّت اور اذیت پہونچاتے تھے۔ صبر و تحمّل کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا اور ایک وقت وہ آیا کہ پیمانہ چھلک گیا۔ پھر کیا ہوا؟

⊙ قارئین کرام پہلے مندرجہ ذیل حکایت کا بغور مطالعہ فرمائیں:۔

حکایت: ۳۰۵

''حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب عم محترم مولانا حبیب

الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہما نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوھیؒ اور نانوتویؒ کے مرید و شاگرد سب جمع تھے۔ اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے۔ کہ حضرت گنگوھی نے حضرت نانوتوی سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ یہاں ذرا لیٹ جاؤ۔ حضرت نانوتوی کچھ شرما سے گئے۔ مگر حضرت نے پھر فرمایا تو مولانا بہت ادب کے ساتھ چیت لیٹ گئے۔ حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا۔ جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے۔ مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو۔ یہ لوگ کیا کہیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہنے دو'' حاشیہ حکایت = ۳۰۵۔ اس سے زیادہ خود داری کی فنا کی نظیر کیا ہوگی۔ کیا اہل تصنع ایسا کر سکتے ہیں۔ ان پر تو یہ موت سے زیادہ گراں ہے اور مولانا گنگوھی کا یہ حال تھا کہ رنگ فنا خجلت پر غالب تھا اور مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدے سے غالب کر دیا۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست۔

حوالہ:

(۱) ''حکایات اولیاء''، از: مولوی اشرف علی تھانوی، مع اشرف التنبیہ وحاشیہ، ناشر: زکریا بک ڈپو، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یوپی)، حکایت نمبر: (۳۰۵)، ص: (۲۷۳)

(۲) ''ارواح ثلٰثہ''، ؟ از: مولوی اشرف علی تھانوی، باہتمام: مولوی ظہور الحسن کسولوی، ناشر: کتب خانہ امداد الغرباء۔ سہارنپور (یوپی)، حکایت نمبر: (۳۰۵)، ص: (۲۸۹)

وھابی ، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے نام نہاد ''**حکیم الامت**'' اور ''**مجدد**'' مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اس واقعہ کو روایت فرماتے ہیں، یہی ایک بات ہی اس واقعہ کی صحت کیلئے دیوبندی مکتبہ فکر کیلئے کافی ہے۔لیکن تھانوی صاحب اس واقعہ کے صحیح ہونے کے ثبوت میں اپنی جماعت کے دو (۲) معتبر راویوں کا حوالہ پیش کررہے ہیں اوران دونوں راویوں نے کسی سے سن کرنہیں بلکہ بھری مجلس میں حالت بیداری میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعدروایت کیا ہے۔ان کی حیثیت تھانوی صاحب کے نزدیک ''**ثقہ راوی**'' یعنی معتبر اور معتمد راوی کی ہے۔یعنی انھوں نے جو واقعہ تھانوی صاحب سے روایت کیا اوران سے سماعت کر کے تھانوی صاحب نے جو واقعہ کتاب میں بیان کیا ہے وہ سوفیصد (100%) سچا واقعہ ہے۔ آنکھوں دیکھا واقعہ ہے، کسی کا گھڑا ہوا یا گپ نہیں بلکہ حقیقت پرمبنی اور سچ مچ وقوع پذیر معاملہ ہے۔جس کے سچ ہونے میں ذرّہ برابر بھی شک وشبہ کا امکان نہیں۔اسی لئے تو واقعہ بیان کرنے سے پہلے تھانوی صاحب نے معتبر راویوں کے نام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

''حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب، عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیھما نے بیان فرمایا کہ'' کیا بیان فرمایا؟

''ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا۔حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی کے مرید و شاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے'' یعنی جو معاملہ وقوع پذیر ہوا، وہ تنہائی میں، بند کمرے میں نہیں ہوا بلکہ برسرعام یعنی کھلم کھلا ہوا ہے۔انجان اور پرائے لوگوں کے سامنے نہیں ہوا ہے بلکہ اپنے خاص الخاص احباب یعنی مریدوں اور شاگردوں کی موجودگی میں ہوا ہے۔صرف دوپانچ یا دس بارہ مرید وشاگرد کے سامنے نہیں ہوا ہے بلکہ بقول تھانوی صاحب ''**مرید وشاگرد سب جمع تھے**'' یعنی جمعیت طلبہ اور حلقۂ مریدین سب کے سب جمع تھے۔ان مریدوں اور شاگردوں کے پیر صاحب اور استاد محترم بھی یک

روح۔دوقالب کی حیثیت سے موجود تھے۔یعنی گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب بھی اس محفل میں جلوہ افروز تھے۔

گنگوہی صاحب طالب علمی کے زمانہ سے نانوتوی صاحب سے **جسم وروح کا تعلق** رکھتے تھے۔جوں جوں زمانہ گزرتا گیا محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔یہاں تک کہ گنگوہی صاحب کو خواب میں ایسے مناظر نظر آنے لگے کہ نانوتوی صاحب دلھن بنے ہوئے ہیں اور گنگوہی صاحب کا نکاح نانوتوی صاحب (صاحبہ) سے ہوا۔رشتۂ زوجیت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے دونوں کو ایک دوسرے سے فائدہ پہونچا۔جیسا کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے سے فائدہ پہونچتا ہے۔گنگوہی صاحب کے تخیل اور تصوّر میں نانوتوی بیگم کا وجود ایسا چھایا ہوا تھا کہ فنائیت کی منزل عبور کرچکا تھا۔آج شاگردوں اور مریدوں سے کھچا کھچ بھری محفل میں نانوتوی صاحب کی موجودگی نے دل کے خاموش اور سوئے ہوئے ارمانوں کو اتنا زور سے جھنجھوڑا کہ گنگوہی صاحب کے صبر وتحمل کا پیمانہ چھلک گیا اور بقول شاعر۔

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کئے بغیر
کام ان کی بیقرار نگاہوں سے پڑ گیا

صبر وتحمل کا دامن گنگوہی صاحب کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ بلکہ ''**پیار کیا، تو ڈرنا کیا؟**'' والا معاملہ ہو گیا۔اب تک جس کی محبت کا چھپ چھپ کر دم بھرتے تھے اور ہجر کی آگ میں اپنے دل کو جلاتے تھے بلکہ بھُونتے تھے اور نتیجتاً جو دھواں اٹھتا تھا، اس سے دم گھٹتا تھا۔ عرصہ دراز سے اس گھٹن کو ضبط کرکرکے اُکتا گئے تھے۔دل میں امنڈتے ہوئے ارمانوں کے سمندر کو آج تک قابو میں رکھا۔لوگوں اور سماج کے پاس ولحاظ نے شرم وحیا کے دائرے میں محدود اور مقیدّ کررکھا تھا اور ''**شرم والے کے پھوٹے کرم**'' اور ''**شرم ہی شرم میں کام تمام ہوا**'' والی امثال پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے لقائے محبوب سے محروم و مایوس ہی رہا۔لہذا اب ''**شرم**

چہ کتی ست کہ پیش مرداں آید" والی مثل کو اپنائے بغیر چارہ نہیں کب تک "**دم گھٹ گھٹ کر رہنا**" پر عمل کر کے صبر وتحمل کی کلفت برداشت کروں؟ اب تو "**حیا آنکھوں سے دھوڈالنا**" اشد ضروری ہوگیا ہے۔ مرید اور شاگرد بڑی تعداد میں موجود ہیں تو کیا ہوا؟ انھیں بھی سچی محبت کا درس سکھادوں اور باور کرادوں کہ سچی محبت کرنے والے کسی سے بھی نہیں ڈرتے۔

نانوتوی کی محبت کے نشے میں سرشار گنگوھی صاحب نے بھری محفل میں اپنے مریدوں اور شاگردوں کی موجودگی میں اپنی بیباک، محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نانوتوی صاحب سے عام لہجہ میں نہیں بلکہ بقول تھانوی صاحب "**محبت آمیز لہجہ میں فرمایا**" یعنی محبت سے بھرے ہوئے انداز میں حکم دیا۔ محبت اور حکومت سے مرکب حکم صادر فرمایا۔ جیسے کوئی شوہر اپنی فرمانبردار جورو کو حکم دیتا ہے۔ حکم کیا تھا؟ "**یہاں ذرا لیٹ جاؤ**" ہائے ہائے۔ توبہ توبہ۔ لیٹ جاؤں اور وہ بھی بھری محفل میں؟ مرید اور شاگرد سے بھری ہوئی محفل میں کیوں کر لیٹوں؟ میں تو مارے شرم کے مرہی جاؤں۔ ایسی بے حیائی اور بے شرمی مجھ سے نہیں ہوسکتی۔ لہذا نانوتوی صاحب "**کچھ شرما سے گئے**"۔ شرم کی وجہ سے نہیں لیٹے۔ لیکن گنگوھی صاحب نے تو یہی ٹھان لیا تھا کہ کچھ بھی ہو، آج تو خوابوں کی ملکہ بیگم نانوتوی کو بھری محفل میں لیٹا کر ہی رہوں گا۔

پہلی مرتبہ محبت آمیز لہجہ میں لیٹ جانے کا حکم دیا۔ مگر نانوتوی صاحب شرما کر رہ گئے اور حکم کی تعمیل میں تامّل کیا۔ لہذا مکرّر حکم نافذ فرمایا۔ "**مگر حضرت نے پھر فرمایا، تو مولانا بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے**"۔ نانوتوی صاحب سمجھ گئے تھے کہ سیّاں اب ماننے والے نہیں۔ ان کی عادت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ایک مرتبہ جس کام کی ٹھان لی وہ پوری کر کے ہی چھوڑیں گے۔ اپنی ضد پوری کر کے ہی رہیں گے۔ ہرگز ماننے والے نہیں۔ مجھ کو لیٹا کر ہی رہیں گے۔ لہذا شرمانا اور نازنخرے کرنا بیکار اور بے سود ہے۔ اب شرم وحیا کا لبادہ

اتار پھینک کر میں بھی اپنے عاشق کے شرارتی عشق کے رنگ میں رنگ جاؤں، یہی مناسب ہے بلکہ جنونِ عشق کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے نانوتوی صاحب لیٹ گئے۔ محبت کے آداب واطوار بجالاتے ہوئے "**بہت ادب کے ساتھ**" لیٹ گئے۔ صرف "ادب کے ساتھ" نہیں بلکہ "**بہت ادب کے ساتھ**" واہ! کیا ادب ہے۔ کیا تعظیم ولحاظ ہے!!! عشق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ادب وتعظیم کے تقاضوں کو نامناسب کہنے والے گروہ کے پیشوا عشق فاسد کے ادب واحترام کے تقاضوں کی بجا آوری میں کس قدر غلو سے کام لے رہے ہیں۔

نانوتوی صاحب بہت ادب کے ساتھ لیٹے اور کیسے لیٹے؟ بقول تھانوی صاحب "**چت لیٹ گئے**" یعنی عورت کی طرح۔ کیونکہ مرد وعورت جب ہمبستر ہوتے ہیں تو عورت ہمیشہ چت لیٹتی ہے۔ بستر میں مرد کے ساتھ سوتے وقت عورت کی عادت اور ہیئت کو آشکارا کرتے ہوئے نانوتوی صاحب بھی چت ہی لیٹے۔ پھر کیا ہوا؟

"حسن حفاظت کرتا ہے اور جوانی سوتی ہے"

کے مطابق نانوتوی صاحب کی دلفریب، دل بستہ، دل آرا، دل پذیر، دل چسپ اور دل نشین ادا دیکھ کر گنگوھی صاحب کی حالت "**دل ہی جانتا ہے۔ دل ہی کو معلوم ہے**" کی طرح ہوگئی۔ اب دل اپنے قابو میں نہیں۔ بقول شاعر "**جب شمع کا شعلہ لہرایا۔ اُڑ کے چلا پروانہ بھی**" کے مطابق گنگوھی صاحب بھی اُڑ چلے اور بقول تھانوی صاحب "**حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے**"۔ بھری محفل میں محبّ ومحبوب یا پھر عاشق ومعشوق کہو دونوں اب ایک ہی چارپائی پر موجود ہیں۔ وصل محبوب اور لقاء معشوق کے حسین لمحات رونما ہو رہے ہیں۔ گنگوھی صاحب گو یا اپنی منزل مقصود کو پہونچ گئے۔ مراد قلبی حاصل ہوگئی۔ دل کے ادھورے ارمان پورے ہونے کا سنہرا موقعہ آ گیا۔ آرزو اور حسرت کی تکمیل کی سعادت میسّر ہو چکی۔ طالب علمی کے زمانے کا ہم سبق یار اب ہم بستر ہے۔ دل کا کنول کھل گیا اور دل کی آگ بجھانے کی گھڑی آپہونچی۔

چار پائی پر لیٹتے ہی گنگوہی صاحب نے **"مولانا کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا"** خوش نصیب ہو گئے گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب کے وہ مرید اور شاگرد جنھوں نے بھری محفل میں مشترکہ طور پر اپنے استاد و مرشد کے "اَمر پڑیم" کا منظر اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھنے کی سعادت حاصل کی۔ قابل صد مبارک باد ہیں وہ طلبہ اور مریدین اور ساتھ میں رسوائے زمانہ کتاب **"مطالعۂ بریلویت"** کے مصنف پروفیسر خالد محمود صاحب مانچسٹری جنھیں ایسے دو (۲) پیشواؤں کی اتباع کا شرف حاصل ہے، جو ہم جنسی الفت و رغبت کی ایسی اعلیٰ منزل پر متمکّن تھے، جہاں پہونچ کر وہ اس حدیث شریف کے کامل مصداق اور مثل بن گئے کہ **"اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ"** یعنی **"جب تو بے حیا ہو گیا، تو جو چاہے کر"** اور واقعی گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب نے وہ کر دکھایا، جس کو پڑھ کر بھی ایک غیرت مند اور مہذب شخص کا سر مارے شرم کے جھک جائے۔

گنگوہی صاحب نے چار پائی پر لیٹنے کے بعد نانوتوی صاحب کی طرف کروٹ لے کر اپنا ہاتھ نانوتوی صاحب کے سینے پر رکھ دیا۔ ان کا ہاتھ رکھنا کچھ اس انداز کا تھا کہ جیسے ایک عاشق صادق اپنی معشوقہ کی سینے پر ہاتھ رکھ کر ایسی کوئی حرکت کرے جو باعث لذّت و تسکین قلب ہو۔ گنگوہی صاحب نے ایسا کیا کیا کیا؟ وہ تو چشم دید شاہد کی حیثیت سے ان کے مرید و شاگرد ہی جانیں، لیکن **"قیاس کُن زگلستانِ مَن بہارِ مَرا"** یعنی "میرے گلستاں سے میری بہار کا قیاس کر" والی مثل سے موجودہ حالت سے کنندہ حالت کا اندازہ ہوتا ہے کہ مطابق گنگوہی صاحب نے ایسی کوئی حرکت کی ہو، ایسا امکان اور غالب گمان ہے۔ اسی لئے تو نانوتوی صاحب کے سینے (چھاتی) پر ہاتھ رکھنے کی گنگوہی صاحب کی حرکت کو تھانوی صاحب یوں بیان فرماتے ہیں کہ **"جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے"**۔

گنگوہی صاحب اپنا ہاتھ نانوتوی صاحب کے سینے پر رکھنے کے بعد خاموش اور بے

حرکت نہیں پڑے رہے بلکہ انھوں نے کچھ ایسی نازیبا اور بے حیائی کی حرکتیں شروع کر دیں، جو باعث شرم و خجلت ہو۔ گنگوہی صاحب کی وہ شرم و حیا سے عاری حرکتیں ایک دو مرتبہ کی نہ تھیں بلکہ متعدد مرتبہ کی تھیں۔ کیونکہ بقول تھانوی صاحب **"مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو، یہ لوگ کیا کہیں گے"** یعنی گنگوہی صاحب نے چار پائی پر لیٹنے کے بعد نانوتوی صاحب کی طرف کروٹ لے کر ایسی حرکتیں کرنی شروع کر دیں کہ نانوتوی صاحب بھی مارے شرم کے پانی پانی ہو گئے اور گنگوہی صاحب کی عاشقانہ حرکتیں مسلسل جاری تھیں اور رکنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔ لہذا نانوتوی صاحب عاجزی کرتے ہوئے **"ہر چند"** اپنے **"میاں"** کو سمجھاتے تھے اور روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے تھے کہ **"میاں کیا کر رہے ہو"**۔ نانوتوی صاحب ہر چند یعنی بہتیرا فرماتے رہے کہ میاں کیا کر رہے ہو؟ اپنے میاں کو جنون عشق کے جوش سے ہوش میں لانے کیلئے نانوتوی صاحب ہر مرتبہ ٹوکتے تھے کہ یہ کیا حرکت کرتے ہو؟ اور ہوش میں لانے کیلئے مریدوں اور شاگردوں کی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے کہتے تھے کہ **"یہ لوگ کیا کہیں گے"**

مگر گنگوہی صاحب نہ مانتے تھے اور نہ ہی رُکتے تھے۔ بڑی مشکل سے ایسا سنہرا موقع ہاتھ لگا تھا۔ بھاڑ میں جائے دنیا۔ ان لوگوں کا لحاظ کر کے ہاتھ لگی دولت عشق کے خزانے سے ہاتھ روک لوں ایسا کم ظرف و کم حوصلہ تو میں نہیں۔ اُو میری نانوتوی بیگم! ان لوگوں کے کہنے کا خیال مت کرو۔ صرف میرا خیال کرو۔ میری کیا حالت ہے، وہ تو ذرا دیکھو۔ بقول شاعر:-

کب سے سلگ رہی ہے جوانی کی گرم رات
زلفیں بکھیر کر میرے پہلو میں آیئے

اس شعر کے مصرعۂ ثانی کو اس طرح بدل دو کہ:-

"داڑھی بکھیر کر میرے پہلو میں آیئے"

گنگوھی صاحب نے نانوتوی صاحب کی ایک نہ سنی۔ بیچارے نانوتوی صاحب! ہر چند کہتے رہے کہ میاں! شرم کرو۔ ایسی حرکت سے باز آؤ۔ ہم دونوں کے مرید اور شاگرد موجود ہیں اور ہمارے عشق کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ ذرا ان کا خیال اور لحاظ کرتے ہوئے ایسا ویسا مت کرو۔ خلوت میں کرنے کی حرکتیں جلوت میں مت کرو۔ یہ لوگ کیا کہیں گے؟ مگر گنگوھی صاحب پر ایسی جنونی کیفیت اور دیوانگی طاری تھی کہ شرم وحیا اور شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر فرمایا کہ **''لوگ کہیں گے، کہنے دو''** گنگوھی صاحب کو اس کی قطعاً پرواہ نہیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اگر کچھ کہیں گے بھی تو بعد میں دیکھا جائیگا۔ اس وقت ان سب خطرات کا خیال کر کے مزہ کرکرا نہیں کرنا۔ اس وقت تو محبت کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں ڈوب جانے دو۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ مذکورہ بالا خانقاہ گنگوہ کی حکایت کے ضمن میں مندرج ''حاشیۂ حکایت'' اور دیگر اہم نکات کی طرف اپنی توجہات مرکوز فرمائیں۔ جو اختصاراً حسب ذیل ہیں:-

⦿ تھانوی صاحب کی تالیف کردہ کتاب **''حکایات اولیاء''** جس کا پُرانا نام **''ارواح ثلٰثہ''** ہے۔ اس کتاب میں تھانوی صاحب نے ان لوگوں کے حالات زندگی کے اہم واقعات بیان فرمائے ہیں۔ جن کو وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے لوگ دینی پیشوا، ولی، بزرگ، مقتدا، رہنما، ہادی اور معتبر و معتمد عالم دین مانتے ہیں۔ ان کے حالاتِ زندگی اور سوانح کی اشاعت کا اصل مقصد یہی ہے کہ ان کے حالات زندگی پڑھ کر لوگ نصیحت حاصل کریں، ان کے نقش قدم پر چلیں اور اپنی زندگی کو سنواریں۔ خانقاہ گنگوہ کا مذکورہ واقعہ پڑھ کر لوگ کیا نصیحت حاصل کریں گے؟ ان کے نقش قدم پر چل کر کیا فلاح اور ہدایت پائیں گے؟ اور خانقاہ گنگوہ میں بھری محفل میں نانوتوی صاحب کے ساتھ گنگوھی صاحب کا ایک چارپائی پر لیٹنے والی عشقیہ داستان پڑھ کر لوگ کیا سبق حاصل کریں گے؟ اور کونسی فلاح اور ہدایت پائیں گے؟ بلکہ اس کے برعکس مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے افراد ایسے فحش واقعہ کو پڑھ کر مزید جری ہوں گے اور

یہ کہہ کر علانیہ طور پر ارتکاب ذُنوب میں مبتلاء ہوں گے کہ جب مولوی لوگ ایسی حرکت بھری محفل میں کر سکتے ہیں تو ہم کس **کھیت کی مولی** ہیں جب دیندار اور مذہبی پیشوا کے منصب پر فائز حضرات ایسے **فعل قبیح** کو بلا جھجک کرتے ہوئے شرماتے نہیں، تو ہم تو پکّے دنیا دار ٹھہرے۔

علاوہ ازیں اسلام دشمن طاقتیں اور میڈیا جو اسلام کی خوبیوں اور اچھائیوں پر بھی بے تکے اور بے جوڑ اعتراضات کر کے اسلامی تقدّس کو داغدار کرنے کی سعی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے، اگر ان کے ہاتھوں خانقاہ گنگوہ میں علانیہ طور پر کی گئی فحش حرکت آ گئی، تو وہ اسلام دشمن افراد اس میں مرچ مسالا ملا کر عالمی پیمانے پر تشہیر کر کے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام و ذلیل کرنے میں کسی قسم کی کوئی کمی باقی نہیں رکھیں گے؟ بلکہ ہم جنسی تعلقات (Homosexual) کے دلدادہ تو اس واقعہ کو بطور سند پیش کریں گے کہ مسلمانوں کے مذہبی پیشوا بھی ہماری طرح ہم جنس پرستی کے شوقین تھے۔

⦿ کیا خانقاہ گنگوھی کا واقعہ اس قابل ہے کہ اسے مذہبی کتاب میں جگہ دی جائے اور اسے شائع کیا جائے؟ ہرگز نہیں۔ لیکن وبرا ہو شخصیت پرستی اور اندھی عقیدت کا کہ دیوبندی مکتبۂ فکر کے بے خرد مصنفین نے ایسے فحش اور حیا سوز واقعہ کو لکھ مارا اور بے عقل ناشرین نے اسے چھاپ کر مشتہر کر دیا۔ گنگوھی صاحب اور نانوتوی صاحب نے خلوت میں کرنے کا کام جلوت میں کر ڈالا اور ان کے بیوقوف متبعین نے اسے چُھپانے کے بجائے چھاپ دیا۔

⦿ حیرت تو اس بات پر ہے کہ خانقاہ گنگوہ کا فحش حادثہ صرف چھاپ کر ہی چھٹے سبکدوش نہیں ہوئے بلکہ ایسی فحش حرکت کو اپنے پیشوا کی خوبی اور کمال میں کھپانے کی مذموم کوشش کرتے ہوئے حکایت نمبر (۳۰۵) لکھنے کے بعد **''حاشیہ حکایت (۳۰۵)''** لکھ کر اپنے دل پھینک عاشق پیشواؤں کے کمال کے گیت گاتے ہوئے بے سُرے اور بے ڈھنگے راگ الاپے ہیں۔ حاشیۂ حکایت میں لکھا ہے کہ **''اس سے زیادہ خودداری کی فنا کی نظیر کیا ہوگی''** اس جملہ کو وضاحت سے سمجھیں۔ **خودداری** کے معنی لغت میں ○ رکھ رکھاؤ یعنی تکلف، خاطر داری

❍ غیرت ❍ عزت (فیروز اللغات، ص:۵۹۹) وارد ہیں یعنی اس جملہ کے ذریعہ گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب کی غیرت وعزت اور خاطرداری کا ڈھنڈورا پیٹا گیا ہے کہ ہمارے یہ دونوں پیشوا ایسی عظیم عزت اور غیرت والے تھے کہ انھوں نے بھری محفل میں اپنی غیرت اور عزت کا جنازہ نکال کر ایک ایسا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے کہ اس کی کوئی **''نظیر''** یعنی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ واہ! کیا بے شرمی ہے!!! خانقاہ گنگوہ میں عاشق ومعشوق کا رول ادا کرتے ہوئے گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب بھری محفل میں ایک چارپائی پر لیٹے۔ اپنے شاگردوں اور مریدوں کی موجودگی میں ایک چارپائی پر گنگوہی صاحب کے ساتھ لیٹنا اور گنگوہی صاحب کا **''عاشق صادق''** کی طرح برتنا، ایسا گھناؤنا اور قبیح کام تھا کہ خود نانوتوی صاحب بھی شرماتے تھے اور اپنے **''میاں''** گنگوہی صاحب کو روکنے کی کوشش کرتے تھے اور شاگرد ومرید کی موجودگی کا احساس دلا کر کنٹرول (Control) کرنے کی سعئ تمام کرتے تھے۔ مگر گنگوہی صاحب جنونِ عشق کے جوش میں ایسے بیخود تھے بلکہ ایسے بے غیرت وبے شرم بن گئے تھے کہ حاضرین مجلس کی موجودگی کو بھی خاطر میں نہ لائے اور جو کچھ کرنے کا عزم وارادہ اپنے چنچل من میں ٹھان رکھا تھا، اُس سے باز نہ آئے۔ المختصر! گنگوہی صاحب نے حیا آنکھوں سے دھوڈال کر بے حیائی، بے شرمی، بے غیرتی اور بے لحاظی کا ایسا فاش مظاہرہ کیا کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ایسی بے حیائی کے ارتکاب سے اُن کی عزت میں اضافہ نہیں ہوا بلکہ **عزت کا دیوالہ نکل گیا۔** لیکن افسوس کہ دیوبندی پیشواؤں کے چمچے چمچا گیری کا حق ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے زیادہ عزت وآبرو کی فنا کی نظیر کیا ہوگی۔

⦿ اپنے بے شرم پیشواؤں کے بے شرمی پر مشتمل ارتکاب پر نادم اور خجلت زدہ ہونے کے بجائے فخر کیا جارہا ہے۔ صرف فخر کر کے جی نہیں بھرا تو اُن لوگوں کی توبیخ اور ملامت کی جارہی ہے، جو واقعی میں غیرت مند، نیک خصلت اور مہذب ہیں۔ ذرا عبارت کے تیور ملاحظہ فرمائیں۔ **''کیا اہل تصنع ایسا کر سکتے ہیں۔ ان پر تو یہ موت سے زیادہ گراں ہے''** یعنی

خانقاہ گنگوہ میں بھری محفل میں گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب نے ایک چارپائی پر لیٹ کر جو کہ دکھایا ہے، ایسا کارنامہ انجام دینا اور کسی کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو صرف ہمارے گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب کا ہی حوصلہ اور بے باک جگر تھا، جو کھلّم کھلاّ پریم کا ناٹک رچایا۔

عبارت میں غیرت مند، باحیا، باشرم، مہذب، نیک خصلت وطینت، پارسا، متقی، پرہیزگار اور صالح لوگوں کو **''اہل تصنع''** یعنی بناوٹ کرنے والے، مکروفریب کرنے والے، دکھاوا کرنے والے، نیک اور متقی ہونے کا ڈھونگ رچانے والے کہا گیا ہے۔ یعنی ہمارے دو عظیم پیشواؤں نے خانقاہ میں بھری محفل میں بے خوف وخطر جو کچھ کر دکھایا ہے، ایسا اہل تصنع نہیں کر سکتے۔ **''ان پر تو یہ موت سے زیادہ گراں ہے''** واقعی سچ ہے۔ عزت وآبرو والا شخص ایسا کرہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے۔ بے شرمی کا کام کر کے عزت کو خاک میں ملانا، اس سے بہتر مرجانا ہے۔ جب عزت گئی تو زندگی کی لذت ہی گئی۔ باغیرت باحیا گروہ کو طعنہ دیا جارہا ہے کہ اے عزت وآبرو کے متوالو! تم نے عزت اور غیرت کا لبادہ اُوڑھ رکھا ہے اور آبرودار بن کر سماج میں گھوم رہے ہو۔ لیکن تم عشق میں فنا ہونے کی سعادت سے یکسر محروم ہو۔ تم نے غیرت اور لحاظ کا ڈھونگ اور دکھاوا کر رکھا ہے۔ تم مُروّت اور اخلاق کے دائرے میں مقیّد ہو کر عابد خشک ہو کر رہ گئے ہو۔ عشق کیا ہے؟ اور عشق میں فنا ہونا کیا ہے؟ اس سے تم یک لخت غافل اور انجان ہو۔ ایک عاشق صادق کے جذباتِ دل اور عشق میں فنا ہو جانے کا ولولہ تمہیں نصیب ہی نہیں ہوا۔ عشق کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں غوطہ زنی کا حوصلہ ہی تم میں مفقود ہے۔ تم کیا جانو عشق کے امنڈتے ہوئے طوفان کی طغیانی کیا ہوتی ہے؟ اگر تمہیں اس امنڈتے ہوئے سیلاب کی دھار میں پھینک دیا جائے تو تم ہرگز تیر نہ سکو بلکہ پانی کی چادر میں اوجھل ہو کر ڈوب جاؤ۔ دریائے عشق میں تیراکی کے فن سے تم ناواقف ہو۔ اس فن کے ماہرین تو ہمارے پیشوا گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب تھے۔ جنھوں نے غیرت اور آبرو کے کپڑے اُتار ڈالے اور عشق محبوب اور وہ بھی ہم جنس محبوب کے عشق نازیبا کے

طوفانی سمندر میں چھلانگ لگادی۔ شاگرد اور مرید سے بھری ہوئی مجلس کا لحاظ تک نہ کیا اور عشق میں فنا ہونا کیا ہے؟ اس کی مثال قائم کردی۔

⦿ بے حیائی اور بے شرمی پر مشتمل حکایت بیان کرنے کے بعد اس حکایت میں اہم کردار ادا کرنے والے خاص اداکار (Main Hero) گنگوہی صاحب کی فحش اداکاری کو داد دیتے ہوئے اور گنگوہی صاحب کی ایکٹینگ کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ ''**مولانا گنگوہی کا یہ حال تھا کہ رنگ فنا خجلت پر غالب تھا**'' یعنی گنگوہی صاحب اپنے معشوق نانوتوی صاحب کے عشق میں ایسے اور اس قدر فنا تھے کہ ان کا ''**رنگ فنا**'' ایسا گاڑھا اور پکا تھا کہ خجلت یعنی شرم و ندامت پر غالب ہوگیا تھا۔ نانوتوی صاحب کے عشق میں ایسے فنا تھے کہ شاگرد و مرید سے بھری محفل میں بھی انھیں ذرّہ بھر شرم و غیرت لاحق نہ ہوئی۔ خجلت یعنی شرم و ندامت کو ''**خیر باد کہہ کر**'' نانوتوی صاحب کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر لیٹ گئے، نانوتوی صاحب کی طرف کروٹ لی اور ایک عاشق صادق بلکہ ہجر و مفارقت کی آگ میں جُھلستا عاشق اپنے جسم وجگر کی پیاس بجھانے اور دل مضطرب کو تسکین دینے کیلئے لقائے معشوق کے وقت جذباتی اور مشتعل ہوکر از خود وارفتگی کے عالم میں جو حرکت کرتا ہے۔ اس کا نمونہ پیش کردیا۔ یہاں تک کہ ان کی جذباتی کیفیت کی طغیانی دیکھ کر نانوتوی صاحب تلملا اُٹھے اور ایسا خوف محسوس کیا کہ اب یہ آہستہ آہستہ آگے بڑھیں گے۔ ہائے اللہ! میں تو مر ہی جاؤں! اگر میرے ''**میاں**'' آگے بڑھے اور حد سے تجاوز کرگئے، تو قیامت تک میں اور میرے مرید و شاگرد کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں گے۔ بلکہ اس وقت اپنے مرید و شاگرد کے سامنے میری یہ حالت ہوگی کہ ''**زمین پھٹ جائے اور میں سما جاؤں**'' لہٰذا نانوتوی صاحب نے اپنے ''میاں'' گنگوہی صاحب سے جوش جوانی کا ولولہ ٹھنڈا کرکے حیا اور تہذیب کے ہوش میں آنے کیلئے یوں کہا کہ ''**میاں کیا کر رہے ہو، یہ لوگ کیا کہیں گے**'' لیکن مرید و شاگرد کے گروہ کی موجودگی سے شرم محسوس کرنا اور بھری محفل کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے جوش جوانی کے طوفان کو سرد اور معتدل کرنا گنگوہی صاحب

جیسے عاشق صادق کے ''**رنگ فنا**'' کی شان کے خلاف تھا۔ کیا میں ایسا ڈرپوک اور بزدل ہوں جو ماحول کا لحاظ کرکے ''**غیرت سے کٹ جاؤں**'' اور ہاتھ آئی ہوئی سنہری گھڑی کو گنواں دوں؟ ارے شرم و غیرت کی تو ایسی ویسی۔ ہم تو اپنی من مانی کرکے ہی دم لیں گے۔ چاہے لوگ دیکھ رہے ہوں۔ ہمیں کیا فرق پڑتا ہے؟ ننگا سب سے چنگا والی مثل کے ہم مصداق ہیں۔ ہمیں کسی کا لحاظ کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ آج تو شاگردوں اور مریدوں کو بھی ہمارے عشق کا تماشا دیکھنے دو۔ آج انھیں عشق میں فنا ہونے کا درس عملی طور پر (Practically) سکھا دیں تاکہ وہ کبھی نہ بھولیں اور ہمیشہ یاد رکھیں۔ اپنے پیر اور استاد کا عملی طور پر سکھایا ہوا ''**فنائے عشق**'' کا سبق مستقبل میں مشعل راہ بن کر رہنمائی کریگا۔ ان پر بھی کبھی یہ دن آنے والے ہیں لہٰذا تب وہ اپنے پیر و استاد کے نقش قدم پر چل کر کامیابی اور کامرانی کی منزل تک بآسانی پہونچ جائیں گے۔

⦿ آخر میں ایک ایسا خطرناک جملہ لکھا ہے کہ ''**اور مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدے سے غالب کردیا**'' یعنی مولوی قاسم نانوتوی کا ایک وصف و کمال بیان کیا جارہا ہے کہ انھوں نے خجلت یعنی شرم و حیا پر فنا کا رنگ مجاہدہ کرکے غالب کردیا۔ اس حکایت نمبر (۳۰۵) کا جو حاشیہ لکھا گیا ہے، اس کا ماحصل یہ ہے کہ گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب دونوں کے اندر عشق میں فنا ہونے کا وصف اور حوصلہ تھا۔ لیکن ان دونوں کے اس وصف میں ایک فرق ہے۔ فرق کیا ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے حاشیۂ حکایت نمبر (۳۰۵) کے جملوں کو بغور ملاحظہ فرمائیں:-

✪ گنگوہی صاحب کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

''**مولانا گنگوہی کا یہ حال تھا کہ رنگ فنا خجلت پر غالب تھا**''

✪ نانوتوی صاحب کا وصف و کمال یوں بیان کیا ہے کہ:-

''**مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدے سے غالب کردیا**''

یعنی گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب دونوں میں عشق میں فنا ہو کر شرم وحیا (خجلت) پر غلبہ حاصل کر لینے کی خوبی تھی۔ یعنی وہ دونوں ایک دوسرے کے عشق میں ایسے فنا تھے کہ عشق ومحبت کے آداب اور قواعد وطریقے کی بجا آوری میں بالکل نہیں شرماتے تھے۔ یعنی ایسے بے حیا اور بے شرم تھے کہ شاگردوں اور مریدوں کی موجودگی میں دونوں ایک چارپائی پر ساتھ لیٹ گئے اور عاشق ومعشوق کا ڈرامہ کر دکھایا۔ لیکن پھر بھی ان دونوں کی بے شرمی اور بے حیائی میں عظیم فرق تھا۔ گنگوہی صاحب میں **"رنگ فنا خجلت پر غالب تھا"** یعنی گنگوہی صاحب کی تو پہلے ہی سے بے شرمی و بے حیائی کی خصلت تھی۔ ان کی طبیعت و عادت ہی تھی کہ وہ دل پھینک عاشق کی طرح کسی پر فریفتگی کے معاملے میں ڈرتے اور شرماتے نہیں تھے۔ عشق میں ایسے فنا ہو جاتے تھے کہ شرم وحیا کو پاس آنے ہی نہ دیتے تھے اور **"شرم والے کے پھوٹے کرم"** والی مثل پر عمل کر کے اپنے ارمان دل کو پورا کرنے میں کسی کا لحاظ اور جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔ ان میں فنا کا رنگ پہلے ہی سے موجود تھا اور وہ رنگ ایسا پختہ تھا کہ فوراً خجلت پر غالب آ جاتا تھا۔ کسی پر فنا یعنی وارفتہ ہو جانے کا رنگ ان کی عادت میں تھا۔ شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر وارفتگی اور فریفتگی کا مظاہرہ بے خوف وخطر کرتے تھے۔ یہ ان کی عادت اور فطرت تھی۔

لیکن!!!

⊙ نانوتوی صاحب عادۃً شرمیلے تھے۔ لیکن ان کو بھی شرم وحیا کا دامن چاک کرنا پڑا۔ طالب علمی کے زمانے کی یعنی بچپن کی محبت کو دل سے بھلا دینا آسان نہیں۔ بوڑھے ہو گئے تو کیا ہوا؟ سینے میں مستور دل تو **"ابھی تو میں جوان ہوں"** کی صدا بلند کر رہا ہے۔ ماضی میں ساتھ بسر کئے ہوئے دنوں کی یاد سے تو **"دل ڈانواں ڈول ہوتا ہے"**۔ لیکن ہائے! مجبوری۔ میں دیوبندی جماعت کا مقتدا اور پیشوا ہوں۔ سینکڑوں کی تعداد میں شاگرد اور مرید ہیں۔ استاد و پیر کے منصب پر فائز ہوں۔ سماج اور معاشرہ کا لحاظ اجازت نہیں دیتا کہ اپنے عاشق صادق کا ساتھ نبھاتے ہوئے کھلم کھلا اور علانیہ طور پر پریم کا کھیل کھیلوں۔ میں آداب

تہذیب اور فنا در عشق کے درمیان بری طرح پھنس گیا ہوں۔ محبوب کے جذبات دل کا پاس رکھوں تو تہذیب واخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہے اور اگر شرم وحیا کا پتلا بنوں تو محبوب کا قلب پاش پاش ہوتا ہے۔ کس کو اہمیت اور ترجیح دوں؟ حالانکہ خود میرا دل بھی محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے کا خواہش مند ہے۔ آج کل کی تازہ محبت تو ہے نہیں کہ التفات نہ کیا جائے بلکہ بہت پرانی اور اٹوٹ محبت ہے۔ مگر میں بھی عادت سے مجبور ہوں۔ شرمانا میری عادت اور خصلت ہے۔ عشق میں فنائیت کا رنگ پیدا کر کے عشق کا رنگ جمانے میں میری شرمیلی عادت مانع ہے۔ کیا کروں؟

ہاں ہاں! وہی کروں جو میرا محبوب چاہتا ہے۔ انجام چاہے کچھ بھی ہو، مجھے وہی کرنا ہے جو **"میاں"** چاہتے ہیں۔ میاں نے حکم دیا ہے کہ میں شاگرد اور مرید سے بھری ہوئی محفل میں چارپائی پر لیٹ جاؤں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ شرم وحیا کی زنجیروں نے پاؤں جکڑ رکھے ہیں۔ غیرت اور لحاظ نے دامن پکڑ کر کھینچ رکھا ہے۔ محبوب کے حکم کی نہ تعمیل ہو سکتی ہے اور نہ ہی تامل۔ البتہ محبوب کا حق یہی ہے کہ اس کے حکم کی بجا آوری کر کے اُسے شاد وخرّم کروں۔ چاہے مجھے بدلنا ہی پڑے۔ میری خو کو تبدیل کرنا پڑے۔ اور واقعی نانوتوی صاحب نے وہ کر دکھایا۔ بقول تھانوی صاحب۔

"مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدے سے غالب کر دیا"

یعنی نانوتوی صاحب نے اپنے کو گنگوہی صاحب کا **"ہم رنگ"** بنانے کیلئے **"مجاہدہ"** کیا۔ اب ہم مجاہدہ کے لغوی معنی دیکھیں اور مجاہدہ کیا ہے؟ اس پر بہت ہی اختصار کے ساتھ گفتگو کریں۔ **"مجاہدہ"** کے لغوی معنی ⊙ جدوجہد ⊙ جاں فشانی ⊙ نفس کُشی یعنی خواہش کو مارنا ⊙ ریاضت وغیرہ (حوالہ: فیروز اللغات، ص: ۱۲۰۵)۔ نفس کُشی یعنی نفس کو مارنے کیلئے اولیاء کرام اور صوفیائے عظام نے بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں۔ تصوّف میں مجاہدے کی بڑی ہی اہمیت ہے۔ راہ تصوّف میں قدم رکھنے والے کو سب سے پہلے نفس کشی اور خواہشات پر قابو رکھنے کی تاکید کی جاتی ہے اور اسی سے تعلق رکھنے والے عملیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مثلاً قلّت طعام ومنام یعنی کم کھانا، اور کم سونا، مسلسل روزے رکھنا، شب بھر بیدار رہ کر عبادت و

ریاضت کرنا، بالکل سادہ کھانا کھانا، پھٹے پُرانے کپڑے پہننا، امیرانہ وضع قطع ترک کر کے فقیرانہ شکل وصورت اختیار کرنا، سختی کے ساتھ شریعت مطہرہ کی پابندی کرنا، وغیرہ۔ علاوہ ازیں ہمہ وقت ذکرواشغال میں منہمک رہنا۔ المختصر! دنیا کے عیش وعشرت اورلذّات سے منہ موڑ کر **''توجہ الی اللہ''** میں کامل طور پر راغب ہونا اور جسمانی خواہشات کو مار ڈال کر تقوٰی اور پرہیزگاری کا اُسوَۂ حسنہ بننا، اسی کو عام اصطلاح میں مجاہدہ کہا جاتا ہے۔ المختصر! مجاہدہ کرنے سے پارسائی، زہد، تقویٰ، پرہیزگاری، پاکی، خدا کا خوف، شریعت کی پابندی اور گناہوں سے اجتناب کرنے کا وصف اور کمال حاصل ہوتا ہے۔

لیکن! نانوتوی صاحب نے مجاہدہ میں **اُلٹی گنگا بہانا** اور **اُلٹی مالا پھیرنا** والی مثل پر عمل پیرا ہونا اختیار کیا اور تقویٰ و پرہیزگاری کے رنگ میں رنگ جانے کے بجائے اپنے عاشق اور میاں گنگوہی صاحب کے ہم رنگ بن گئے۔ یعنی بقول تھانوی صاحب **''مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدہ سے غالب کر دیا''** یعنی شاگرد و مرید سے بھری مجلس میں گنگوہی صاحب کے ساتھ ایک چارپائی پر لیٹ کر شرم وحیا کو الوداع کہہ کر بے شرمی کا مظاہرہ کرنا اُن کی عادت میں نہ تھا۔ وہ تو شرمیلے تھے مگر انھوں نے ایسا مجاہدہ (Struggle) کیا کہ شرم وحیا کو مار ڈالا۔ خجلت کو چوراہے پر دفن کر دیا اور فنا کا وصف اپنے اندر پیدا کر دیا، یہ ان کا کمال تھا۔ ایسا ہُنر اور ایسی لیاقت ہر کس وناکس کو میسّر نہیں۔ یہ تو صرف نانوتوی صاحب ہی کا کمال تھا کہ ایسا مجاہدہ فرمایا کہ شرم وحیا کو رخصت کر دیا اور گنگوہی صاحب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خانقاہ گنگوہ میں بھری محفل میں اپنے عاشق ومحبّ کے ساتھ ایک چارپائی پر لیٹ گئے اور اپنے شاگردوں اور مریدوں کو ایک انوکھا درس دیا کہ محبت کرنے والے کبھی کسی سے ڈرتے نہیں۔

مطالعۂ بریلویت نامی رسوائے زمانہ کتاب کے مصنف جناب پروفیسر خالد محمود مانچسٹری صاحب بھی خانقاہ گنگوہ کی داستانِ عشق پڑھ کر لطف اندوز ضرور ہوئے ہوں گے۔ مستقبل میں اگر **''مجاہدہ''** کے تعلق سے خامہ آرائی کرنے کا اتفاق ہو، تو نانوتوی صاحب کے خرق عادت اور خلاف دستور مجاہدہ پر ضرور کچھ لکھیں۔